بسم الله الرحمن الرحیم

اسوۂ فاطمیہ علیہا السلام

نام کتاب: **اسوۂ فاطمیہ** سلام اللہ علیہا

مؤلف: **سید جواد نقوی**

ترتیب: **مرکز تحقیقات اسلامی بعثت**

ناشر: **متاب پبلی کیشنز**

اشاعت: اول، جمادی الثانی ۱۴۴۳ھ (جنوری ۲۰۲۲)

تعداد: **۲۰۰۰**

عرض ناشر

خداوند تبارک وتعالیٰ نے ہمیں اتم اور کامل ترین نعمتوں میں ایک نعمت یہ عطا کی ہے کہ ہمارے دلوں میں محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وخاندانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ڈال دی ہے۔ اس محبت کی ذمہ داریاں اور تقاضے ہیں۔ جناب سیدہؑ واولادِ فاطمہؑ سے محبت کرنا معمولی نعمت نہیں ہے، اس کی قدر جانیں۔ ایک شخص امام صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوکر شکوہ کرنے لگا کہ مولاؑ میں فقیر ہوں، میں نادار ہوں، میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ امامؑ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ تو بہت غنی ہے۔ وہ کہنے لگا میرے تن پہ کپڑا نہیں ہے، میرے پاس رہنے کے لئے گھر نہیں ہے، میرے پاس کھانے کے لئے کچھ بھی نہیں ہے لیکن آپؑ فرمارہے ہیں کہ میں بہت غنی ہوں۔ امامؑ نے فرمایا کہ تو یہ بتا کہ تیرے دل میں ہماری محبت ہے یا نہیں ہے؟ کہنے لگا مولاؑ دل میں تو آپؑ کی محبت ہے۔ امامؑ نے فرمایا کہ جس دل میں اہلبیت علیہم السلام کی محبت ہو وہ کبھی فقیر نہیں ہوسکتا بلکہ فقیر وہ انسان ہے کہ جس کے دل میں خدا، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وآلِ رسول علیہم السلام کی محبت نہ ہو۔

اس نعمت کا شکر ادا کریں۔ ایک شکرانۂ نعمت یہ ہے کہ مختلف مناسبتوں پر ذکر اہلبیت علیہم السلام کریں، اس ذکر ومعرفت کو عام کریں۔ دنیا درِ اہلبیت علیہم السلام پہ آئے گی تو اسے خدا کی معرفت حاصل ہوجائے گی۔ جب تک لوگ درِ اہلبیت علیہم السلام پہ نہیں آتے اس وقت تک ہدایت نہیں پاسکتے اور قیامِ جنابِ فاطمہ سلام اللہ علیہا تا قیامِ قیامت بشریت کے لئے ہدایت کا منارہ ہے۔ تاریخ میں اس اقدامِ فاطمیؑ نے تشیع کے حق کو ہمیشہ بچا کے رکھا ہے

اور یہ قیامت تک باقی رہے گا۔ جب تک اقدامِ جنابِ سیدہ سلام اللہ علیہا موجود ہے حق کا چمکتا سورج بن کر رہے گا اور اسی سے لوگوں کو ہدایت ملتی رہے گی۔ اسی سے لوگ سوچنے پہ مجبور ہوتے ہیں اور یہیں سے لوگوں کو حق کی طرف نشانِ راہ ملتا ہے۔ آج بھی فاطمی تشیع کا راستہ ہمارے لئے کھلا ہے۔ تشیعِ فاطمیؑ اپنا فریضہ جانتا ہے اور اس کا انجام بھی جانتا ہے۔ بی بی سیدہ سلام اللہ علیہا نے یہ راستہ طے کیا اور اس کے لئے قربانی بھی دی۔ پس اگر کسی کو دعوتِ حق دینے کیلئے تشیع کی حقانیت بتانی ہو تو اس کے سامنے سیرتِ عظمٰی جنابِ فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا پیش کریں یعنی جہاں نظامِ حق نہیں ہے وہاں اپنی ناراضگی کا اعلان و اظہار کریں اور نظامِ امامت وولایت کے نفاذ کیلئے بھرپور جدوجہد کریں۔

حضرتِ سیدہ سلام اللہ علیہا کی معرفت خود کلامِ سیدہؑ، سیرتِ سیدہؑ و آئینہ فاطمہؑ سے حاصل کریں۔ ڈاکٹر شریعتی جو ایک قادر الکلام ادیب ہے، لفاظی بہت خوبصورت کرتے ہیں، اُن کی ایک کتاب کا نام ہے ''فاطمہؑ فاطمہؑ است''۔ اُس میں لکھتے ہیں کہ میں نے جنابِ سیدہ سلام اللہ علیہا کو سمجھنے کے لئے ساری شخصیتوں کا ایک ایک کر کے مطالعہ کیا تاکہ دیکھوں کہ جنابِ سیدہ سلام اللہ علیہا کس شخصیت کی عکاسی کرتی ہیں۔ میں نے جنابِ فاطمہ سلام اللہ علیہا کو سمجھنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت کو دیکھا کہ آیا فاطمہ سلام اللہ علیہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں یا نہیں، پھر میں نے علی علیہ السلام کی شخصیت کو دیکھا کہ آیا فاطمہ سلام اللہ علیہا علیؑ ہیں یا نہیں؟ امام حسن علیہ السلام کو دیکھا کہ فاطمہ سلام اللہ علیہا حسنؑ ہیں یا نہیں ؟ پھر میں نے امامِ حسین علیہ السلام کو دیکھا کہ فاطمہ سلام اللہ علیہا حسینؑ ہیں یا نہیں؟ اسی طرح بڑی بڑی شخصیات کا مطالعہ کیا کہ آیا فاطمہ سلام اللہ علیہا، ابراہیم علیہ السلام ہیں یا نہیں؟ نوح علیہ السلام ہیں یا نہیں؟ موسیٰ علیہ السلام ہیں یا نہیں؟ کسی شخصیت سے ملا کر دیکھوں تاکہ میں سمجھوں کہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کیا ہے؟ پھر کہا کہ جب میں

نے فاطمہ سلام اللہ علیہا کو سب کے ساتھ ملا کر دیکھا تو میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ فاطمہؑ، فاطمہؑ ہیں۔ جنابِ فاطمہ سلام اللہ علیہا کو فاطمہ سلام اللہ علیہا کے آئینہ میں دیکھیں۔

ہم جنابِ فاطمہ سلام اللہ علیہا کو شاعروں کی رباعیوں، قصیدوں، خطباء کی تقریروں اور منبروں سے پہچاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ جہاں شخصیتِ جنابِ فاطمہ سلام اللہ علیہا کے ساتھ عقیدت بیان کی جاتی ہے لیکن آپ جنابِ سیدہ سلام اللہ علیہا کو خود ان کی سیرت، کلام، قیام، انقلاب، اعتراض، ناراضگی، غضب اور غیر الٰہی عمل کے خلاف نفرت کے آئینہ میں دیکھیں جو حضرتِ فاطمہ سلام اللہ علیہا کے وجود اقدس میں موجود ہے۔

ہم مدعی ہیں کہ ہم دُعائے فاطمہؑ ہیں اور دُعائے فاطمہؑ لے رہے ہیں۔ اے دُعائے فاطمہؑ کے دعویدار! پہلے یہ دیکھ لے کہ تو فاطمہؑ کی دُعا ہے یا فاطمہؑ تجھ سے ناراض ہے، پہلے اپنا عمل تو دیکھ کہ تو کھڑا ہوا کہاں ہے۔ جس دکھ کو فاطمہؑ لے کر اس دُنیا سے رنجور چلی گئیں وہی عمل آج تیرا بھی ہے اور کہتا ہے کہ میں دُعائے فاطمہؑ ہوں۔ تجھ میں اور اُس میں کیا فرق ہے جو اُس وقت نظامِ ولایت سے دور تھا اور جو آج نظامِ ولایت سے دور ہے۔ فاطمہ سلام اللہ علیہا کے اصلی درد کو سمجھئے۔

یہ کتاب درحقیقت حضرت فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا کے اس درد کو سمجھنے کے لیے ایک مقدمہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کتاب کی پہلی دو فصلوں میں میں محبت حضرت زہراء سلام اللہ علیہا اور سیرت حضرت زہراء سلام اللہ علیہا کو اجاگر کیا گیا ہے تا کہ اس در سے داخل ہو کر ہم حضرت فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا کی زندگی کا مطالعہ کرنے کے قابل ہو سکیں۔

(متاب پبلی کیشنز)

فہرست مطالب

صفحہ

صفحہ

صفحہ

صفحہ

فصل اول:

عرفان محبت

فلسفۂ مودّت

حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کی حیات طیبہ، سیرت، فضائل اور وہ مقام جو خداوند تبارک وتعالیٰ نے عطا انہیں فرمایا ہے اس کا کثرت سے بیان و ذکر ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود حضرتؑ کی حقیقت اس طرح سے روشن اور نمایاں نہیں ہوئی بلکہ یہ نکتہ ذہن میں رکھ لیں کہ ہم نے ابھی تک معصومین علیہم السلام سے متعلق فقط یک پہلو نگاہ کی ہے۔ جن شخصیات کی زندگی کے مختلف پہلو ہیں ہم نے ان کے مختلف ابعاد اور پہلوؤں پر مشتمل زندگی کا فقط ایک پہلو دیکھا ہے اور دکھایا ہے۔ ہماری بہت ساری مشکلات اور مسائل کی اصلی وجہ اور بنیادی سبب بھی یہی ہے کہ ہم نے ان مقدس ذوات کو فقط ایک پہلو سے اور ایک آنکھ سے دیکھا ہے۔ جس کے نتیجے میں ان کی خلقت، بعثت اور فضائل کا اصلی فلسفہ ہماری نظروں سے اوجھل رہا ہے۔

یہ حقیقت تمام معصومین علیہم السلام کے بارے میں صادق ہے کہ ان کی زندگی کا جو پہلو بیان ہوا ہے اس سے کوئی ایسا دریچہ اور دروازہ نہیں کُھلا جو ہمیں ان کی سیرت تک پہنچا دے۔ ان کی زندگی کا وہ پہلو بیان ہونا لازم و واجب جو ہمیں ان کی سیرت تک پہنچا دے اور ان کا حقیقی پیروکار بنا دے۔ ہم پر معصومین علیہم السلام کی زندگی جو باب کھلا ہے اس نے ہمیں ان کا معتقد اور عقیدت مند بنایا ہے جس سے ہماری محبت و مودّت بیشتر ہوئی ہے۔ یہ پہلو کھلنا بہت ضروری اور واجب تھا جو دینی پیشواؤں اور الٰہی اسوؤں سے متعلق ہماری مودّت، محبت، ولایت، عقیدت اور ارادت کو بڑھائے کیونکہ اگر پیروکار کے دل میں پیشوا کی محبت

اور مودّت نہ ہو اور جو تقدس پیشوا کا ہوتا ہے وہ پیروکار کے دل میں موجود نہ ہو تو ہدایت و رہنمائی کا عمل صحیح طریقے سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ لہٰذا خداوند تبارک و تعالیٰ نے ان ہستیوں کے فضائل ذکر کیے تا کہ لوگوں کو ان سے محبت ہو۔

خدا نے قرآن مجید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے امت کو حکم دیا کہ

قُلْ لَّآ اَسْاَلُکُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰی...... [۱]

ترجمہ: آپ (ص) کہیے کہ میں تم سے اس (تبلیغ و رسالت) پر کوئی معاوضہ نہیں مانگتا سوائے اپنے قرابتداروں کی محبت کے ......

یہ دستورِ الٰہی و قرآنی ہے کہ اہلبیت علیہم السلام سے یہ مودّت واجبات میں سے ہے اور یہ فریضہ ہے۔

محبت کا ایک فلسفہ ہے۔ محبت اپنے فلسفے کے ساتھ نہ ہو تو خشک عقیدت میں بدل جاتی اور پیروکار اور پیشوا کا رابطہ بدل کر کوئی اور رخ اختیار کر لیتا ہے۔ اگر محبت اور مودّت کا فلسفہ بیان نہ ہو تو پیروکار اور پیشوا کے درمیان وہی رابطہ قائم ہو جاتا ہے جو ہمارے ہاں پیر اور مرید کا ہوتا ہے، پیر اور مرید کا رابطہ پیر و اور پیشوا کے رابطے کی طرح نہیں ہوتا۔

پیری سے مراد وہ شکل مختلف مزاروں، درباروں اور مختلف گدیوں پہ رائج ہے۔ گدی نشین اور ان کے پیروکار، عقیدت مند اور ان سے محبت رکھنے والے ہر سرزمین پر موجود ہیں، اس رابطے سے انہیں کچھ حاصل نہیں ہوتا چونکہ اس کے پیچھے فلسفۂ محبت و مودّت نہیں ہے بلکہ فقط محبت اور عقیدت ہے اور وہ پہلو بیان نہیں ہوتا کہ یہ عقیدت کیوں ہے؟ اس کا فلسفہ کیا ہے؟ اس کی حقیقت کیا ہے؟ لہٰذا یہ رابطہ غیر فعال ہوتا ہے اور جمود و

---

[۱] ...... (سورۃ الشوریٰ: ۲۳)

سکوت کی کیفیت بن کر فقط ایک احساساتی و جذباتی رابطہ بن جاتا ہے۔ اگر آپ غور سے دیکھیں تو پیروں سے مریدوں تک کچھ نہیں پہنچتا بلکہ اس کے برعکس اگر کوئی سود پہنچتا بھی ہے تو مرید سے پیر کو پہنچتا ہے۔ ایسے لوگ بسا اوقات پیر بن بیٹھتے ہیں یا عقیدتوں کا مرکز بن بیٹھتے ہیں جو کسی لحاظ سے اس قابل نہیں ہوتے کہ ان سے محبت کی جائے حتیٰ کہ یہ اس قابل بھی نہیں ہوتے کہ ان کے ساتھ علیک سلیک بھی رکھی جائے۔ ان میں سے بعض فکر، کردار اور شخصیت کے لحاظ سے انتہائی گرے ہوئے اور پست ہوتے ہیں لیکن خاندانی وراثت یا معاشرتی رسم کے طور پر لوگوں کی محبت و عقیدت کا محور و مرکز بن جاتے ہیں۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کے پیچھے اندھی محبت اور عقیدت کارفرما ہوتی ہے۔ محبت اور عقیدت کو جب تک معرفت کی آنکھ نہ ملے وہ اندھی ہوتی ہے۔ بینا اور آگاہانہ محبت، وہی ہے جو ذات خدا سے ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ...... [1]

کہہ دیجئے: اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا......

جو محبت ذات خدا سے ہے، وہ آگاہانہ و عارفانہ ہونی چاہیئے۔ اگر معرفت کی آنکھ محبت کو نہ ملے تو محبت اندھی ہو سکتی ہے اور اندھی محبت کسی سمت بھی رخ کر سکتی ہے۔

عارفانہ اور جاہلانہ محبت و نفرت

انسان کے دل اور روح میں خدا نے دو خصوصیات پیدا کی ہیں ایک نفرت اور دوسری محبت۔ محبت تمایل اور رجحان ہے اور نفرت اس تمایل اور رجحان کی ضد، بیزاری اور

---

[1]......(سورۂ آل عمران: ۳۱)

تدافع یعنی گریز ہے۔ اگر ان دونوں کو بصیرت مل جائے یعنی ان دونوں کو آنکھ مل جائے اور اس آنکھ میں نور موجود ہو یہ دونوں قوتیں انسان کو معراج کرا سکتی ہیں لیکن اگر انہیں بصیرت و معرفت نہ ملے، انہیں علم و آگاہی نہ ملے اور ان کی ہدایت اور نشو و نما نہ ہو تو یہ غیر تربیت یافتہ و غیر مہذب محبت و نفرت میں بدل جاتی ہے جس کی تہذیب، تطہیر و تربیت نہیں کی گئی اور یہ غیر مہذب نفرت و محبت انسان کو تباہ کر سکتی ہے۔ جیسا کہ عربی محاورے کی شکل میں بھی یہ مضمون بیان کیا گیا ہے اور روایات میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے: ......**حُبُّ الشَّیءِ یُعْمِیْ وَ یُصِمُّ**...... کسی شئ کی محبت انسان کو اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے۔ یہ کونسی محبت ہے جو انسان کو اندھا بھی کر سکتی ہے اور بہرہ بھی کر سکتی ہے؟ اگر انسان کسی کی محبت میں آجائے یا کسی کی عقیدت میں آجائے اور محبت کی آنکھ نہ ہو، اس محبت کے ساتھ معرفت نہ ہو تو ایسی محبت نہ صرف انسان کو کچھ عطا نہیں کرتی بلکہ اس کی آنکھ کے اوپر پٹی بن جاتی ہے اور انسان کو اندھا کر دیتی ہے چونکہ محبت خود اندھی ہوتی ہے۔ اسی طرح اندھی نفرت بھی ہے۔ اندھی نفرت وہ ہے جس میں بصیرت نہ ہو، جس کے پاس نورِ بصارت اور علم و معرفت نہ ہو۔ لہٰذا محبت و نفرت کی دو قسمیں ہو جائیں گی:

ا۔ آگاہانہ، عالمانہ و عارفانہ محبت و نفرت

۲۔ جاہلانہ، اندھی اور کور محبت و نفرت

نہری محبت اور سیلابی محبت

نفرت کی مثال سے بات زیادہ واضح ہو جائے گی کہ کس طرح نفرت بغیر بصیرت کے انسان کو تباہ کر سکتی ہے؟

محبت ونفرت خدادادی صلاحیتیں ہیں، یہ انسان کی اپنی پیدا کردہ نہیں ہیں۔ انسان محبت ونفرت کی صلاحیت لے کر پیدا ہوتا ہے اور ہمارا کام اس محبت ونفرت کو آگاہی اور رخ دینا ہے، اس کو جہت اور سمت دینا ہے۔ اسی لیے تعلیم وتربیت کا فلسفہ انسانی صلاحیتوں کو رخ دینا ہے نہ کہ انسان کے اندر صلاحیتیں پیدا کرنا ہے۔ انسان صلاحیتیں لے کر پیدا ہوتا ہے لیکن وہ صلاحیتیں ہدایت یافتہ وجہت یافتہ نہیں ہوتیں۔ ان کی سمت معین نہیں ہوتی کہ کدھر جانا ہے۔ اگر ہم نے صلاحیتوں کو راستہ دے دیا اور صحیح راہ پہ ڈال دیا اور وہ صحیح راستے پر چل پڑیں تو یہ انسان کو معراج تک لے جاسکتی ہیں اور اگر ان کو راستہ نہ ملے تو تباہی کا باعث بن سکتی ہیں۔

صلاحیتوں کی مثال پانی کی سی ہے۔ اگر آپ ایک زمین پر پانی جاری کردیں یا پانی اگر ایک سمت میں جارہا ہو اور ہم نالی بنا کر اس پانی کی ہدایت نہ کریں اور اسے کھیت، باغ، پودوں یا پھولوں تک راستہ نہ دیں تو پانی رکتا نہیں ہے۔ پانی کو خدا نے مایع وسیال بنایا ہے، ٹھوس نہیں ہے کہ جہاں ہم نے رکھا رُکا رہے بلکہ اگر پانی کو راستہ نہیں دیا وہ اپنا راستہ خود بنا لیتا ہے۔ اگر ہم نے اس کو کھیت کی طرف یا پودوں کی طرف نہیں موڑا تو وہ گھروں کی طرف مڑ جائے گا وہ ہمارے سامان زندگی کی طرف مڑ جائے گا۔ وہ ان چیزوں کی طرف رخ کرے گا جن کے لیے پانی خطرناک ہے، جن کے لیے پانی مضر ہے۔ اگر پانی ہمارے گھروں میں گھس آئے اور کمروں میں گھس آئے اور ان چیزوں میں آجائے جن میں نہیں آنا چاہئے تو زندگی تباہ کردیتا ہے۔ یہی آبِ حیات و مایعِ حیات جو زندگی کے لیے ضروری ہے اگر اس کو جہت نہ ملے تو زندگی تباہ کردیتا ہے۔ سیلاب، پانی کا غیر ہدایت یافتہ ریلا، ایک منہ زور پانی کا ریلا جس کا رخ نہیں ہوتا جو نہر و دریا میں نہیں بہتا، معین راستوں پہ نہیں چلتا، سیلاب بن کر اپنے راستے خود بنانا شروع کردیتا ہے، آبادیوں کا رخ کرلیتا ہے، انسانی بستیوں کا رخ کرلیتا ہے اور تباہی و

بربادی پھیلاتا ہے۔

انسان کے وجود کے اندر بھی یہی کیفیت ہے۔ صلاحیتیں انسان کے وجود کے اندر موجود ہیں اوران کے اندر قوت وتوانائی موجود ہے اور خدانخواستہ اگران کو رخ نہ ملے، اگران کے لیے وہ کینال نہ بنائی جائے جس سے گذر کر اس نقطے تک پہنچیں جس کے کے لیے یہ صلاحیتیں ہمارے اندر ایجاد ہوئی ہیں تو ان کے اندر طغیانی آجاتی ہے، ان کے اندر سیلاب کی سی حالت پیدا ہو جاتی ہے اور جب ہمارے اندر کی صلاحیتیں طغیانی میں آجائیں، ان میں تلاطم آجائے اور یہ سیلابی ریلے کی شکل اختیار کرلیں تو یہ ہمارے وجود میں قائم بستی اور آبادی کا رخ کر کے اسے ویران کر دیتی ہیں یعنی ہماری ہی صلاحیتوں اوراستعدادوں کوڈبو دیتی ہیں۔ یہ طغیانیاں انسان کے وجود کے اندر پیدا ہوتی ہیں۔

طاغوت اس انسان کو کہتے ہیں جس کی صلاحیتیں منہ زور ہو گئی ہوں جس کی صلاحیتوں کو رخ نہ ملا ہو یعنی ایک سیلابی حالت جس کی صلاحیتوں میں پیدا ہوگئی ہو، طاقت امنڈ رہی ہو لیکن اس کو رخ وجہت نہیں ملا ہو اور وہ تلاطم میں آجائے، اسی انسان کو قرآن نے طاغوت کہا ہے۔ فرعون کو کہا: ......اِنَّهٗ طَغٰی ...... [1] بے شک وہ سرکش ہو گیا ہے! فرعون طاغوت ہو گیا۔ ہر لحظے انسان کی صلاحیتوں میں طغیان ممکن ہے۔ کوئی یہ نہ کہے کہ طغیان نہیں آسکتا۔ ہر چند سردیوں میں برف پڑتی ہے اور سردیوں میں دریاؤں میں طغیانی نہیں آتی لیکن یہی برفیں جب گرمی سے پگھلتی ہیں تو دریاؤں میں طغیانی آتی ہے جو سیلابی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ انسان کے اندر بھی یہی قانون ہے۔ بسا اوقات خواہشات میں جمود ہوتا

---

[1] ......(سورۃ طٰہٰ: ۲۴)

ہے، کچھ چیزیں جمی ہوتی ہیں، برف پڑی ہوتی ہیں، خزاں اور سرما کی حالت انسان میں آجاتی ہے لیکن بعض اوقات تمازت کے ذریعے یہی خوابیدہ قوتیں انسان کے اندر جاگ اٹھتی ہیں اوران میں طغیانی آجاتی ہے۔اس کے نتیجے میں ایک سیلابی حالت پیدا ہوتی ہے اور انسان طاغوت بن جاتا ہے، طاغوتیت کے راستے پہ چل نکلتا ہے۔امریکہ جیسے بڑے طاغوت کے اندر درحقیقت یہی طغیانی ہے اور چھوٹے طاغوت جو کسی محدود جگہ پر ہیں ان کے اندر بھی طغیان درحقیقت یہیں سے شروع ہوتا ہے۔نفرت کی مثال لے لیں نفرتیں بغیر تربیت کے طغیان میں ہیں۔ہم نے نفرتوں کی تربیت نہیں کی۔

محبت ونفرت کی پرورش

کہتے ہیں کہ نفرت کرنا انسان کے شایان شان نہیں ہے،اسلام نفرت نہیں سکھاتا، دین نفرت نہیں سکھاتا۔ناں! یہ انسان کے اندر خداداد صلاحیت ہے اور وہ انسان سالم نہیں ہے جو نفرت نہ کرتا ہو،وہ ناقص العقل و ناقص الخلقت ہے جیسے ہمارے جسمانی اعضاء کے بغیر کوئی بچہ پیدا ہوجائے، اس کی آنکھیں نہ ہوں،کان نہ ہوں اور ہاتھ پاوں نہ ہوں وہ ناقص الخلقت کہلاتا ہے۔اسی طرح اگر بچہ پیدا ہوا اور اس کے اندر محبت نہ ہو،اس کے اندر نفرت نہ ہوا اور اس کے اندر احساسات نہ ہوں جس کے احساسات مرے ہوئے ہوں وہ بچہ ناقص الخلقت ہے۔ اگر سالم خلقت ہے تو اس کے اندرونی اور بیرونی اعضاء وصلاحتیں کامل ہونی چاہیے۔

ہم احساسات اور جذبات کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں،محبتوں اور نفرتوں کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں۔ جوں جوں ہم نشوونما کرتے ہیں یہ چیزیں بھی ہمارے اندر پنپتی رہتی

ہیں۔انسان ان کی تربیت کرے،ان کو رخ دے اوران کے لیے وہ کینال (نہر) بنائے جس میں انہوں نے بہنا ہےاور جس میں انہوں نے جانا ہے چونکہ ان کی حالت سیال ہے یہ رکیں گی نہیں۔اگر ان کی پرورش کرلےان کی تربیت کرلےاوران نفرتوں کو کنٹرول میں لے آئے تو یہ انسان کے وجود کی بہت ساری سرزمینوں کو سرسبز اور ہرا کر کے ثمر دے سکتی ہے۔اسلام نفرت نہیں سکھا تا ہے بلکہ اسلام انسان کی نفرت کو جہت اور سمت دیتا ہے یعنی رخ موڑ لیتا ہے۔ اسلام نفرت کو دباتا نہیں ہے کہ اس کو ختم کردیں۔نفرت کو ختم کرنا رہبانیت ہے۔

تربیت سے مراد

انسانی صلاحیتوں کو مارنا تربیت نہیں ہے بلکہ تربیت انسانی صلاحیتوں کو رخ اور سمت دینا ہے۔ہم تربیت کے مفہوم سے صحیح آشنا نہیں ہوتے ،تربیت کی کتابوں میں لکھا ہوتا ہے یا تربیت کے درس میں یہ کہا جاتا ہے کہ لوگوں کو روڈ پار کرانا اوراس طرح کے دیگر کام کرنے والا انسان تربیت یافتہ ہے، یہ تربیت نہیں۔تربیت سے مراد انسانی صلاحیتوں کو وہ رُخ دینا جو خدا نے انسان کے لیے مقرر کیا ہےاور پروان چڑھانا ہے۔

غیر پرورش یافتہ نفرت

جو صلاحیت انسان لے کر پیدا ہوتا ہے اس کو رُخ دینا تربیت ہے۔جیسے نفرت ہر انسان کرتا ہے لیکن غیر تربیت یافتہ نفرتیں ہمیشہ طغیانی میں ہوتی ہیں مثلاً ایک گھر میں چند افراد رہتے ہیں اوران سب کے اندر نفرت کرنے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے لیکن ان کی

نفرت کو صحیح جہت نہیں دی گئی لہٰذا نفرت نے اپنے راستے خود بنا لیئے ہیں یعنی نفرت کو جہاں راستہ ملا اس طرف نکلتی جا رہی ہے۔ ساس اور بہو کی نفرت اسی وجہ سے ہے۔ نفرت کا عنصر ساس اور بہو دونوں میں موجود ہے چونکہ ان دونوں کی تربیت نہیں ہوئی اس لیے ان کو یہ نہیں پتا کہ ہم نے کس سے نفرت کرنی ہے اور ان دونوں کی نفرت میں طغیان و سیلاب آ جاتا ہے لہٰذا ساس کی نفرت کا رُخ بہو کی طرف اور بہو کی نفرت کا رُخ ساس کی طرف ہو جاتا ہے۔ حالانکہ خدا نے ان دونوں کو یہ صلاحیت کسی اور مقصد اور ہدف کے لیے دی ہے۔ اگر ان دونوں کی تربیت ہو چکی ہوتی اور ان کی نفرتوں کو رخ مل گیا ہوتا اور یہ اپنے اصلی راستے کی طرف چل پڑی ہوتیں تو یہ ایک دوسرے کے شر سے محفوظ رہتیں۔ یہ نفرت کا ایک نمونہ ذکر کیا ہے اور اسی طرح خاندان کے دیگر افراد میں ایک دوسرے سے غیر تربیت یافتہ نفرتیں خود اپنے راستے بنا لیتی ہیں۔ غیر تربیت یافتہ نفرتوں کی وجہ سے انسان کو اپنے کسی، قریبی، عزیز، رشتہ دار، مومن و مومنہ اور کسی دوست سے نفرت ہو جاتی ہے۔ کیوں یہ نفرت ہوتی ہے؟ کیونکہ بالآخر اس نفرت کو اپنا کوئی راستہ تو بنانا ہے۔

اسی طرح محبت بھی ہے۔ جس طرح ہماری نفرتیں غلط ہیں اسی طرح ہماری محبتیں بھی غلط ہیں۔ وہ محبتیں جنہیں ہمیں رخ دینا تھا لیکن جب ان کو رخ نہیں ملتا ہے تو یہ محبتیں غلط طرف مڑ جاتیں ہیں اور ایسی طرف ان کا رخ مڑ جاتا ہے جس طرف نہیں مڑنا چاہیے۔ اگر محبت کو رخ مل جائے اور محبت کو آنکھیں مل جائے، بصیرت و بصارت مل جائے تو یہ محبت عارفانہ و عالمانہ محبت ہے۔

پرورش یافتہ محبت و نفرت، تولّیٰ اور تبرّیٰ

خداوند تبارک و تعالیٰ نے اپنی ذات سے ہمیں محبت کا حکم دیا ہے یعنی انسان خدا سے محبت کرے لیکن طغیان میں آئی ہوئی محبت کبھی بھی خدا کی طرف نہیں جاتی ہے اس محبت کو خدا تک لے جانے کے لیے ایک کینال (Canal) کی ضرورت ہے۔ محبت کو اس کینال سے گزار کر خدا تک پہنچانا ہوتا ہے ورنہ خدا سے ہٹ کر کسی غیر خدا کی طرف جاتی ہے۔ یوں نہیں ہے کہ ہم پیدا ہوتے ہی اولیاء اللہ سے محبت کریں گے۔ اس محبت کو ایک کنال دیں، ایک جہت اور سمت دینا پڑتی ہے۔ یوں نہیں ہے کہ محبت کے ارد گرد بند باندھ کر خدا تک پہنچایا جائے۔ نہ ایسا نہیں ہے بلکہ محبت کو آنکھیں دیں یعنی اسے معرفت دیں تو یہ خود خدا کی طرف جائے گی۔ نفرت کو آنکھیں یعنی معرفت و بصیرت دے دیں تو یہ خود دشمن و عدُّوِ خدا کی طرف جائے گی۔

تبرّا و تولّیٰ کی یہی حقیقت ہے۔ تبرا و تولّیٰ فروعات دین میں سے ہیں۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ دین نفرت نہیں سکھاتا ہے صرف محبت سیکھاتا ہے۔ ناں ایسا نہیں ہے، یہ تو رہبانیت ہے۔ دین جب انسان کی نفرت و محبت کو جہت و رخ دیتا ہے تو وہ انسان کے اندر قوت جاذبہ و دافعہ میں تبدیل ہو جاتی ہیں اور جب یہ قوتیں انسان سے باہر نکلتی ہیں اور ان کا اظہار ہوتا ہے تو یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں تبدیل ہو جاتی ہیں یعنی معروف سے محبت اور منکرات سے نفرت لیکن اس کے لیے تربیت ضروری ہے۔ محبت کو آنکھ چاہیے تا کہ معروف کی طرف جائے اور نفرت کو بصارت چاہیے تا کہ منکرات کی طرف جائے ورنہ چہ بسا منکرات سے محبت ہو جاتی ہے یعنی غلطیوں، برائیوں، برے مناظر اور غلط روابط سے محبت ہو جاتی ہے۔

تربیت یافتہ محبت امر بالمعروف اور تربیت یافتہ نفرت نہی عن المنکر بن جاتی ہیں اور یہیں بڑھ کر تولّیٰ اور تبرّا میں تبدیل ہوجاتی ہیں یعنی ولایت اور برائت میں تبدیل ہوجاتی ہیں۔ ولایت یعنی تربیت یافتہ، ہدایت یافتہ اور سمت یافتہ محبت۔ اسی طرح تربیت یافتہ، ہدایت یافتہ اور سمت یافتہ نفرت کو برائت کہتے ہیں۔ اگر سمت نہ ملے تو انسان برائت نہیں کرسکتا ہے۔ اگر تربیت نہ ہو تو ولایت اور برائت اپنے رخ سے مڑ کر اندھی ہوجاتی ہیں۔ اگر تولّیٰ اور تبرّا آگاہانہ اور عارفانہ، نہ ہو تو اس صورت میں ولایت نعرہ بن جاتا ہے اور تبرّا گالی بن جاتا ہے حالانکہ تبرّا نہ گالی کا نام ہے اور نہ ہی ولایت نعرے کا نام ہے۔ محبت کو اپنا قبلہ معلوم ہو تو ولایت بن جاتی ہے اور نفرت جس کو اپنا قبلہ معلوم ہو تو وہ تبرّا اور برائت بن جاتی ہے۔ برائت یعنی نفرت، بیزاری اور دوری اختیار کرنا۔

اولیاء اللہ سے محبت اور اعداء اللہ سے نفرت کا فلسفہ

ضروری ہے کہ محبت کو معرفت کی آنکھ مل جائے۔ ہمیں موّدت فی القربیٰ کا حکم دیا گیا ہے۔ ہمیں کیوں کہا گیا ہے کہ ان ذواتِ مقدسہ معصومین علیہم السلام سے محبت کریں؟ ان کو ہماری محبت کا قبلہ قرار دیا گیا ہے اور محبتوں کا رخ ان کی طرف موڑ دیا گیا ہے۔ محبت کا رخ معرفت کے ساتھ اس طرف آجائے تو یہاں کوئی ایسی چیز ہے جس کے لیے ہمارا رخ ادھر موڑا گیا ہے۔ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو سب سے پہلے اس کا رجحان دودھ کی طرف ہوتا ہے کیونکہ اس مایع میں اس کی حیات اور بقاء ہے۔ درحقیقت اس مایع کے اندر حیاتِ انسان ہے لہٰذا بچے کے پیدا ہوتے ہی رجحان، تمایل اور محبت اس مایع کی طرف ہوتی ہے۔ بچہ فطرتاً اپنے

غریزے میں یہ شعور لے کر پیدا ہوتا ہے۔اسی طرح جہاں بھی خدا نے انسان کی حقیقی بقاءاور حیات کا سامان رکھا ہے عیناً اسی طرف انسان کی فطرت میں رجحان اور تمائل بھی پیدا کیا گیا ہے اوراس کی معرفت اور آ گاہی بھی دی گئی ہے۔

انسان کے اندر اولیاء اللہ کے بارے میں دو چیزیں نہ ہوں تو اس کی محبت یا آندھی ہوجائے گی یا اس کی محبت کا رخ کسی اور طرف مڑ جائے گا۔پہلی چیز اولیاء اللہ سے محبت ہو اور دوسری اس محبت کی معرفت بھی ہو۔اسی طرح اعداء ودشمنانِ خدا سے ایک تو نفرت ہو اور دوسرا اس نفرت کی آ گاہی اور معرفت ہو کہ ہم ان سے کیوں نفرت کرتے ہیں؟ ہم ان کے موجود ہونے کی وجہ سے ان سے نفرت نہیں کرتے۔ہم فرعون ونمرود سے نفرت کیوں کریں؟ ہم صیہونزم، اسرائیل اور امریکہ سے نفرت کیوں کریں؟ ہم شیطان سے نفرت کیوں کریں؟ کیونکہ یہ موجود ہیں کیا اس لئے ان سے نفرت کریں؟ ناں! ان کے موجود ہونے کی وجہ سے نفرت نہیں کرتے کہ یہ کیوں موجود ہیں بلکہ اس موجود کے اندر ایک ایسی چیز ہے جو نقصان دہ اور مضر ہے۔اس ضرر سے بچنے کے لئے ہم سے کہا گیا ہے کہ ان سے نفرت کریں۔

ابلیس کا موجود ہونا باعث نفرت نہیں ہے۔ہم سے پوچھا جائے کہ ابلیس سے نفرت کیوں کرتے ہو؟ ہم جواب دیں کہ ابلیس موجود ہے اس لئے اس سے نفرت کرتے ہیں اگر نفرت کا یہ فلسفہ ہو تو ہمیں ہر موجود سے نفرت کرنی چاہیے۔ابلیس سے نفرت کرنے کا فلسفہ یہ ہے کہ ابلیس میں ایک ایسی صفت پائی جاتی ہے جو انسان کے لئے تباہ کن ہے اوراس کی وہ صفت شیطنت، خنّاسیت، وسوسہ کرنا، اضلال، انسان کو گمراہ کرنا اور انسان کو بہکانا ہے، ان اسباب کی وجہ سے شیطان سے نفرت کریں۔پس نفرتِ شیطان کا ایک فلسفہ ہے جو اس فلسفہِ نفرت سے آگاہ نہ ہو وہ شرِّ شیطان سے محفوظ نہیں رہ سکتا ہے۔شیطان کے

وجود کے علاوہ ایک اور چیز ہے یعنی شر ہے جس کی وجہ سے شیطان سے نفرت ہے نہ کہ شیطان کے وجود کی وجہ سے اس سے نفرت ہے۔

اگر شیطان میں شر نہ ہوتو یہ عبادت کر کے اور خدا کی بارگاہ میں ترقی کر کے جن سے ملائکہ کی صف میں پہنچا لیکن جب سے اس کے اندر غرور اور تکبر پیدا ہوا اور اس نے یہ مؤقف اختیار کیا کہ

قَالَ اَنَا خَيۡرٌ مِّنۡهُ...... ۱؎

کہا کہ میں اس سے افضل ہوں

جب سے شیطان میں یہ شیطنت پیدا ہوئی تو یہ انسان کے لئے خطرناک ترین شئ بن گیا اور اولیاء اللہ اور انبیاءؑ سے کہا گیا کہ اس سے بچ کے رہیں اور ہوشیار رہیں کیونکہ یہ کسی بھی آن کسی بھی طریقے سے آپ کو نقصان پہنچا کر تباہ کرسکتا ہے چونکہ شیطان نے قسم کھائی ہے کہ میں ذرّیتِ آدم اور اولادِ آدم کو چاہے وہ مرد ہو یا عورت نقصان پہنچاؤں گا، کوئی بھی دسترسِ شیطان سے محفوظ نہیں ہے۔

شیطان سے نفرت کافی نہیں ہے کہ انسان شیطان سے محفوظ رہے۔ جب تک شیطان کے شر اور شیطنت کی معرفت نہ ہو انسان محفوظ نہیں رہ سکتا ہے۔ شیطان سے بچنے کے لیے بھی علم اور معرفت کی ضرورت ہے۔ بہت سارے لوگ ہیں جن کو شیطان سے شدید نفرت ہے لیکن خود بنفس نفیس شیطان ہیں اور شیطان کے معاون و مددگار ہیں اور شیاطین انس بن گئے ہیں۔ شیطان سے محفوظ رہنے کے لیے نفرت از شیطان کافی نہیں ہے

۱؎......(سورۃ الاعراف:۱۲)

بلکہ شیطنت کی معرفت ضروری ہے۔

اسی طرح جن ذوات سے ہمیں محبت کا کہا گیا ہے یہ اس لئے نہیں ہے کہ یہ موجود ہیں اس لئے ان سے محبت کی جائے۔ اگر ایسا ہے تو ساری چیزیں موجود ہیں جن سے ہم محبت کریں۔ ہم انبیاءؑ، ائمہؑ اور اولیاء اللہ سے محبت کریں کیونکہ یہ موجود ہیں۔ اگر ایسا ہے تو شجر و حجر، زمین و آسمان، شمس و قمر اور کوکب و انجم سب موجود ہیں پھر تو ہمیں تمام موجودات سے محبت ہونی چاہیے۔ ایسا نہیں ہے بلکہ ان سے اس لئے محبت کریں کیونکہ ان کے وجود کے اندر ایسی چیز موجود ہے جو انسان لئے خیر ہے، جو انسان کو اس کے مقصدِ خلقت تک پہنچا سکتی ہے اور اس گوہر کی وجہ سے ان سے محبت کریں جو کہ فلسفۂ محبت ہے۔ جس طرح شیطان سے نفرت کا ایک فلسفہ ہے اسی طرح اولیاء اللہ سے محبت کا بھی ایک فلسفہ ہے اور اس فلسفۂ محبت سے آشنائی کے لیے معرفت کی ضرورت ہے۔

یکطرفہ محبت

خودِ محبت اپنا فلسفۂ محبت نہیں جان سکتی ہے۔ اگر محبت کو فلسفۂ محبت معلوم نہ ہو اور محبت کو معرفت حاصل نہ ہو تو یہ رابطہ پیری مریدی میں تبدیل ہو جاتا ہے یعنی جہاں دونوں ایک دوسرے سے دور اور منقطع ہوتے ہیں، فقط ایک عقیدہ اور احساساتی رابطہ بن جاتا ہے۔ یہ پیری مریدی کا رابطہ کس حد تک انسان کے لئے سودمند ہے اور کس کو فائدہ پہنچتا ہے؟ اس احساسی اور جذباتی رابطے سے مرید کو کم اور پیر کو زیادہ فائدہ پہنچتا ہے کیونکہ یہ رابطہ یک طرفہ ہے یعنی فقط مرید پیر کے بارے میں احساسات رکھتا ہے اور پیر کے دل میں مرید

کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے حتیٰ وہ اس مرید سے محبت بھی نہیں کرتا ہے۔

محبوب کے اندر پنہان گوہر کی جستجو محبت ہے

اولیاء اللہ سے محبت دو طرفہ رابطہ ہے۔ اولیاء اللہ کے پیروکاروں سے کہا گیا ہے کہ ان سے محبت کریں۔ کیوں محبت کریں؟ کیونکہ اس پیشوا کے اندر ایک گوہر ہے اور اس گوہر کی وجہ سے اس پیشوا سے محبت کریں اور یہ گوہر پیروکار یعنی محبت کرنے والے کے لیے خدا نے پیشوا کے اندر رکھا ہے۔ ان کا وجود ایک صدف ہے اور اللہ نے اس صدف کے اندر ایک گوہر رکھا ہے اور یہ گوہر درحقیقت محبت کرنے والے کے لیے ہے۔ گوہر کو بھی کہا گیا ہے کہ وہ اپنا دامن وآغوش محبت کرنے والے کے لیے کھول کر رکھے۔ جس طرح پیاسا اور چشمہ ہے۔ یوں نہیں کہ پیاسے کو گھڑے سے غرض ہے اور یہ موجود ہے اس لئے اس سے محبت کرتا ہے اور اس کو طلب کرتا ہے۔ نہ ایسا نہیں ہے بلکہ محبت اس لئے کرتا ہے کیونکہ اس چشمے کے اندر پانی ہے اور پانی پیاسے کی نجات کا ذریعہ ہے بلکہ چشمے کے اندر جو گوہرِ حیاتی اور زندگی بخش ہے وہ پانی ہے جو پیاسے کی پیاس بجھاتا ہے۔ چشمے کو بھی کہا گیا ہے کہ آپ کا بھی رجحان اور رخ پیاسے کی طرف ہونا چاہیے۔ پس چشمہ پیاسے کا منتظر ہے اور پیاسا چشمے کا طلب گار ہے۔ یوں نہیں ہے کہ فقط پیاسا چشمے کے انتظار میں ہے اور چشمہ پیاسے کے انتظار میں نہ ہو۔ چشمہ بھی پیاسے کا منتظر ہے کہ کب پیاسا آکر اس گوہرِ حیات سے سیراب ہو جائے!

صدف اپنے اندر گوہر لے کر ایسے غوّاص اور انسان کا منتظر رہتا ہے کہ جو گوہر صدف نے پال کر رکھا ہے اس امانت کو اس غوّاص اور انسان تک پہنچا دے۔ پس صدف

بھی لوگوں کا منتظر ہے۔ اس صدف کو بہت افسوس ہوتا ہے جسے کوئی گوہر یاب اور گوہر کا تلاش کرنے والا نہ ملے۔ علامہ اقبالؒ نے پھول کی مثال دے کر فرمایا:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا......[1]

انتظار کی ایک حالت پھول میں ہے اور وہ دیدہ ور کے انتظار کی حالت ہے کہ ایک ایسا دیدہ ور آئے جس کے لیے یہ وجود میں آیا ہے اور اگر وہ دیدہ ور نہیں ہے تو اسے اپنے حال پہ گریہ کرنا پڑتا ہے اور رونا پڑتا ہے کہ دیدہ ور کیوں نہیں ہے؟ امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

سَلُوْنِیْ قَبْلَ اَنْ تَفْقِدُوْنِیْ ......[2]
مجھ سے پوچھ لو قبل اس کے کہ تم مجھے کھو دو!

اس صدف کے اندر گوہر ہے اور وہ گوہر امت کے لیے ہے، امام کے اندر امت کے لیے ہدایت ہے۔ صدف خود کہہ رہا ہے کہ میرے پاس آؤ اور مجھ سے پوچھو!

انبیاء علیہم السلام لوگوں کو کہتے تھے: ......تَعالَوا ......ہماری طرف آؤ!

امیر المومنین علیہ السلام کا کمیل کو اس نخلستان میں لے جانے اور اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہنا کہ

هَا إِنَّ ها هُنَا لَعِلْماً جَمّاً (وَأَشَارَ بِيَدِهِ إِلى صَدرِه) لَوْ أَصَبْتُ

---

[1]......(طلوع اسلام، بانگ درا)

[2]......(نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۱۸۷)(الإحتجاج علی أهل اللجاج (للطبرسي) ج ۱، ص ۲۶۱)

لَهُ حَمَلَةً !......[1]

یہاں علم کا ایک بحر یعنی سمندر موجود ہے۔ اے کاش! اس علم کو کوئی لینے والا یعنی کوئی دیدہ ور پیدا ہو جائے۔ یعنی یہ صدف ہے اور رو رہا ہے کہ میرے اندر یہ اتنا قیمتی گوہر موجود ہے اور افسوس یہ ہے کہ اس گوہر کا تلاش کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ کیوں؟ کیونکہ اس گوہر سے کسی کو محبت نہیں ہے اور اگر محبت ہے تو معرفت نہیں ہے کہ گوہر کہاں ہے۔

گوہر کے بغیر صدف معرفت کے بغیر محبت

مقصد محبت تک دسترس، معرفت سے ہو سکتی ہے۔ اگر صدف سے خالی عقیدت ہو تو انسان صدف کو گھر لے آتا ہے فریم کرا کے لٹکا دیتا ہے۔ ہمیں جن چیزوں سے فقط محبت ہوتی ہے اور ان کے اندر فلسفۂ محبت معلوم نہیں ہوتا تو ان چیزوں کے ساتھ ہمارا رویہ یہی ہوتا ہے کہ ہم ان کا فریم بنوا لیتے ہیں اور ان کے لیے ایک الگ جگہ بنا لیتے ہیں اور ان کو دیکھ کر فقط خوش ہوتے ہیں اور سر دھنتے ہیں۔ اس کا معنیٰ یہ ہوا کہ صدف کے اندر جو گوہر ہے ہمیں اس کی معرفت نہیں ہے ورنہ اس طرح غلاف میں لپیٹ کر نہ رکھتے۔ صدف فریم کرانے کی چیز نہیں ہوتی۔ قرآن اور نہج البلاغہ کیوں غلافوں میں لپٹا ہوا ہمارے گھروں میں رکھا ہوا ہے کہ ہم اسے کھولتے تک نہیں ہیں بلکہ زینتِ الماری اور زینتِ لائبریری ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس صدف کے اندر موجود گوہر کی معرفت نہیں ہے۔ ہمیں نہج البلاغہ سے بہت محبت ہے لیکن نہج البلاغہ کی معرفت نہیں ہے، قرآن سے ہمیں محبت بہت ہے، جس

---

[1]......(نہج البلاغہ، الحکم، ۱۴۴)

کی دلیل یہ ہے کہ ہم اسے چومتے ہیں، بوسہ دیتے ہیں اور سر آنکھوں میں رکھتے ہیں لیکن اس صدف کے اندر جو گوہرِ ہدایت موجود ہے اس کی معرفت نہیں ہے لہٰذا یہ پیر و مرید والا عقیدت کا خشک رابطہ رہ جاتا ہے یعنی قرآن پیر ہو گیا اور ہم اس کے مرید اور ہم صرف اس کا احساساتی اور جذباتی احترام کر کے اپنے دل کو تسلّی دیتے ہیں۔ حالانکہ خداوند تبارک و تعالیٰ نے قرآن کو نسخۂ ہدایت اور اولیاء اللہ کو منبعِ ہدایت و ذریعۂ ہدایت قرار دیا ہے۔

ان مقدس ذوات کے اندر اللہ نے ہمارے لیے جو گوہر رکھا ہے وہ گوہرِ ہدایت ہے اس صدف کو کھولنے کی ضرورت ہے۔ قرآن اور اہل بیت علیہم السلام کے بہت سارے پہلو ہیں، ان کا وجود، ان کی ہستی اور ان کی ذوات کا ایک پہلو ہے، ہم ان تک آئے ضرور ہیں لیکن دورازہ بند ملا۔ جس طرح مزاروں پہ احساسات اور جذبات لیکر جاتے ہیں، عقیدت و احترام سے جھکتے ہیں اور عقیدت و احترام کا اظہار کر کے واپس آجاتے ہیں اور جذبات و احساسات کو بہت جلدی تسکین ہو جاتی ہے۔ جذبات اور احساسات کی تسکین نگاہوں سے ہو جاتی ہے۔ جیسے ماں بیٹا جب دور ہوں، بھائی بہن دور ہوں تو فقط ایک دوسرے کو دیکھنے کے متمنّی ہوتے ہیں اور صرف ایک نگاہ دونوں کو تسکین دیتی ہے۔ ماں جب بچے کی تصویر دیکھ لے، اس کی آواز سن لے اور چہرے پہ نگاہ کر لے اور اگر خواب میں بھی دیکھ لے تو اس کو تسکین ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ایک احساساتی اور جذباتی رابطہ ہے۔ جذبات اور احساسات نگاہوں سے بھی قانع ہو جاتے ہیں۔ ان کو اس سے آگے کچھ نہیں چاہیے۔ لہٰذا انسان کا احساساتی اور جذباتی رابطہ لیکر مزار کی طرح صرف ایک نگاہ کر کے قانع ہونا فقط ایک دروازہ تھا جسے ہم نے کھولا ہے جبکہ ہمیں نہیں معلوم کہ ان ہستیوں کی طرف آنے کے لئے خدا نے کئی راستے اور باب مقرر کئے ہیں۔

حضرت زہراء سلام اللہ علیہا صدف ہیں گوہر الٰہی کا

معصومین علیہم السلام اور خصوصاً جو شخصیت موضوعِ بحث ہے ان کے بہت سارے پہلو ہیں۔ مندرجہ بالا مطلب میں تمام معصومین علیہم السلام کے لئے ایک عام فارمولہ ذکر کیا ہے لیکن ہماری بحث ایک معصوم ہستی یعنی حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کے متعلق ہے۔ حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کی ذاتِ مقدس تک پہنچنے کے لئے خداوند تبارک وتعالیٰ نے کئی باب مقرر کئے ہیں۔ ان میں سے ایک وہی عقیدت، احترام ومحبت کا باب ہے لیکن اس کے ساتھ معرفت بھی ہو یعنی عارفانہ محبت، عقیدت واحترام ہو۔ ہمیں فلسفۂ محبت معلوم ہو یعنی یہ معلوم ہو کہ ہم کیوں اس بی بی سلام اللہ علیہا سے محبت کریں؟ کیوں اللہ تبارک وتعالیٰ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ اطہار علیہم السلام نے حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا سے محبت، عقیدت واحترام کے لیے تاکید کی ہے حتیٰ یہاں تک موجود ہے کہ حُبِّ فاطمہ علیہا السلام حُبِّ خدا ہے اور بغضِ فاطمہ علیہا السلام بغض خدا ہے یعنی بی بی سلام اللہ علیہا کی محبت ونفرت اس قدر اہم ہے کہ معیار قرار پاتی ہے اور حُب وبغضِ خدا بن جاتی ہے، فاطمہ سلام اللہ علیہا جس سے غضبناک ہو اس سے خدا غضبناک ہے فاطمہ سلام اللہ علیہا جس سے محبت کرے اس سے خدا کو محبت ہے، جس نے فاطمہ علیہا السلام کو ناراض کیا اس نے اللہ کو ناراض کیا، جس نے فاطمہ کو خوشحال کیا اس نے اللہ کو خوش کیا۔

یہاں فقط اس ظاہر کو دیکھ کر رک جائیں اور غور وفکر کریں کہ ہمارا ایک احساساتی اور جذباتی رابطہ ہے جو سننے اور دیکھنے سے تسکین پا جاتا ہے اس کی اتنی اہمیت کیوں ہے؟! بعض لوگ جنۃ البقیع جاتے ہیں جو قبرِ سیدہ سلام اللہ علیہا کے نام سے معروف ہے اگرچہ قبر حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا پنہان ہے اور کسی کو معلوم نہیں ہے۔ بقیع میں جو قبر ہے وہ امیر المومنین علیہ السلام کی

والدہ حضرت فاطمہ بنت اسد سلام اللہ علیہا کی ہے۔ آج کسی کو معلوم نہیں کہ قبرِ سیدہ سلام اللہ علیہا کہاں ہے، آیا روضہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اندر ہے یا حضرتؑ کے اس محراب وممبر کے بیچ میں ہے؟ بعض نے کہا ہے کہ بقیع میں ہے، خدا جانتا ہے کہ کہاں ہے!

معصومین علیہم السلام نے بھی خود نشاندہی نہیں کی ہے جبکہ معصومین علیہم السلام کو معلوم تھا لیکن عمداً نشاندہی نہیں کی۔ امیر المومنین علیہ السلام نے اس کے آثار مٹا دیئے تھے کیونکہ حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کی وصیت تھی کہ میری قبر کے نشان مٹا دینا لیکن پھر بھی مدینے جا کر ایک تسکین سی ہو جاتی ہے۔ یہ تسکین فقط جذبات اور احساسات کو ہوتی ہے ورنہ انسان جب صدف کے اندر موجود گوہر کے جتنا قریب جاتا ہے تو تسکین نہیں ہوتی بلکہ اور زیادہ شدت آتی ہے۔ جو چیزیں تسکین پائیں وہ سمجھیں کہ احساسات اور جذبات ہیں۔ مثلاً اگر حقیقتاً پیاس لگی ہو تو پانی کو دیکھ کے اور پانی کے بارے میں سن کر اس کی تسکین نہیں ہوتی بلکہ دیکھنے سے عطش اور تیز ہو جاتی ہے۔ جو سن کر، رو کر اور ذکر کر کے تسکین پا جائیں تو سمجھو کہ یہ احساسات اور جذبات تھے۔ یہ پیاس نہیں تھی، یہ گوہر کی تلاش نہیں تھی چونکہ یہ پیاس اور گوہر کی تلاش دیکھنے سے پہلے کم اور دیکھنے کے بعد اور زیادہ بڑھنی چاہیے اور اس میں اور زیادہ جلا آنی چاہیے تھی۔ یہ اس وقت ہوگا جب ہمیں اس محبت کا فلسفہ اور اس گوہر سے آگاہی ہو کہ بی بی سلام اللہ علیہا کے وجود میں خدا نے کیا گوہر رکھا ہے کہ جس کی بنیاد پر کہا کہ حب وبغضِ فاطمہؑ، حُب وبغضِ خدا ہے جس کی طرف تمام بشریت کو کہا گیا کہ اپنا رخ کرو۔

شکوہ محبت کا نہیں گِلہ معرفت کا ہے!

گِلہ یہ نہیں ہے کہ حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا سے لوگوں کو محبت کم ہے یہ گلہ اور شکوہ کبھی بھی نہیں ہوا۔ اگرچہ بعض لوگوں نے حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا سے محبت نہیں کی وہ بہت کم لوگ تھے۔آج بھی مسلمانوں کی اکثریت کو حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا سے محبت ہے۔لیکن ہمیشہ امیرالمومنین علیہ السلام نے ایک شکوہ اور گلہ جو کیا وہ یہ نہیں تھا کہ لوگوں کو ہم سے محبت نہیں ہے بلکہ وہ شکوہ و گلہ یہ تھا کہ لوگوں کو ہماری معرفت نہیں ہے۔دربارِ یزید میں حضرت سید ساجدین علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ

أَيُّهَا النَّاسُ أُعْطِينَا سِتّاً وَ فُضِّلْنَا بِسَبْعٍ أُعْطِينَا الْعِلْمَ وَ الْحِلْمَ وَ السَّمَاحَةَ وَ الْفَصَاحَةَ وَ الشَّجَاعَةَ وَ الْمَحَبَّةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِين ......

لوگو! خدا نے ہمیں چھ امتیازات اور سات فضیلتوں سے نوازا ہے؛ ہمارے چھ امتیازات علم، حلم، بخشش وسخاوت، فصاحت، شجاعت، اور مؤمنین کے دل میں ودیعت کردہ محبت سے عبارت ہیں ......

امامؑ نے فرمایا خدا نے مومنین کے دلوں میں ہماری محبت کو ہمیں عطیہ کے طور پر عطا کیا ہے یعنی مومنین کے دلوں میں ہماری محبت ہے۔لیکن وہ چیز جو شکوہ ہے جو کسی کو کوفی اور شامی بنا دیتی ہے وہ محبت ہونا نہیں ہے۔کوفیوں کو اہل بیت علیہم السلام سے محبت تھی لیکن معرفت نہیں تھی لہٰذا حضرتؑ نے وہاں پر یہ نہیں کہا کہ ہم سے محبت کرو بلکہ کہا کہ ہمیں پہچانو! امامؑ نے مزید فرمایا:

...... مَنْ عَرَفَنِي فَقَدْ عَرَفَنِي وَمَنْ لَمْ يَعْرِفْنِي أَنْبَأْتُهُ بِحَسَبِي

وَنَسَبِیْ ......[1]

لوگو! جو مجھے جانتا ہے سو جانتا ہے اور جو مجھے نہیں جانتا میں اپنے خاندان اور آباء و اجداد کو متعارف کروا کر اپنا تعارف کراتا ہوں ......

حضرتؑ نے انہیں فرمایا جو نہیں جانتا ہے وہ مجھے پہچانو کیونکہ وہ محبت میں آنسو بہانے والے پہچانتے نہیں تھے لہٰذا حضرتؑ نے ان کو اپنی معرفت کروا دی۔

پس وہ دروازہ جو ہمیں فلسفۂ محبتِ اہل بیت علیہم السلام سے آشنا کرتا ہے اور خدا نے غیر معصومین کے لئے معصومین علیہم السلام کی طرف جو در کھولا ہے اور جو باب اور راستہ مقرر کیا ہے جس کے ذریعہ سے ہم اس گوہر تک پہنچ سکتے ہیں جو ان کے صدف کے اندر موجود ہے وہ در اصل بابِ سیرتِ معصومین علیہم السلام ہے۔ محبتِ معصومین علیہم السلام اس لئے ہے کہ ہم اس صدف کے گوہر تک پہنچیں لیکن جس راستے سے پہنچیں گے اور جس راستے سے وہ گوہر ہمارے ہاتھ آئے گا وہ سیرت کا دروازہ ہے۔

اس پر غور کریں تو بات سمجھ میں آئے گی۔ کچھ چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو ہمیں فقط کہیں پہنچاتی ہیں یعنی ہمارا رخ اس سمت موڑتی ہیں لیکن جب وہاں پہنچ جاتے ہیں تو پھر وہاں کچھ چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو ہمیں اپنے مقصودِ اصلی تک لے جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر ہم کہیں جاتے ہیں تو کسی وسیلے بس یا گاڑی کے ذریعے سے وہاں پہنچتے ہیں لیکن وہاں پہنچ کر مقصود تک بس اور گاڑی نہیں پہنچائے گی۔ یہاں ہم کہیں کہ اس ذریعے کو استعمال کر کے

---

[1] ......(بحار الانوار (ط-بیروت)، ج ۴۵، ص ۱۳۸)، عوالم العلوم والمعارف والأحوال من الآیات والأخبار والأقوال (مستدرك سيدة النساء إلى الإمام الجواد ج ۱۸ -السجادع ، ص ۳۰۸)

اس مقدس مقام تک آ گئے ہیں بس اتنا کافی ہے؟ ناں! یہ کافی نہیں ہے۔اس سواری نے اپنا کام انجام دے دیا کہ ہمیں سوار کر کے وہاں تک پہنچا دیا، اب آگے ایک اور در اور باب ہے جو مقصود ہے، وہ شئ دیگر ہے جس تک ہمیں پہنچنا ہے۔

فصل دوم:

دالان سیرت

بابِ سیرت کے مسدود تالوں کو توڑنے کی ضرورت

محبت کا کام ہمیں گوہر تک پہنچانا تھا۔ اب آگے اس گوہر کا حصول اور اس پر دسترسی ہے، اس تک رسائی کے لئے خداوند تبارک وتعالیٰ نے ہمارے لیے جو باب مقرر کیا ہے، وہ سیرت ہے۔ سیرت معصومین علیہم السلام وہ باب ہے جو ابھی تک کھولا ہی نہیں گیا ہے یعنی بند ہے اسے کھولنے ہی نہیں دیا گیا ہے کسی نے ضرورت ہی نہیں سمجھی کہ اس دروزے سے گزرا جائے۔ عمارتوں میں کچھ دروازے بنائے جاتے ہیں جہاں زیادہ رفت وآمد ہوتی ہے لیکن کچھ دروازے ایسے ہوتے ہیں جہاں سالہا سال تالے پڑے ہوتے ہیں اور ان دروازوں سے کوئی رفت وآمد نہیں ہوتی۔ محبت وہ در ہے جس پہ بہت رفت وآمد ہے اور رش ہے لیکن سیرت وہ دروازہ ہے جس پہ تالے پڑے ہوئے ہیں کوئی اس دروازے سے آنے کا خواہش مند ہی نہیں ہے۔ کہتے ہیں کہ ہم نے اس میں کیا کرنا ہے اور یہاں کس لئے آئیں؟ کیوں سیرت کا دروازہ نہیں کھولتے اور تالے ڈال دیئے ہیں؟ کیونکہ فلسفۂ محبت سے آشنائی نہیں ہے یعنی یہ نہیں معلوم کہ خدا نے معصومین علیہم السلام سے محبت کا حکم کیوں دیا ہے؟ خدا نے کیوں ان کی محبت کو اپنی محبت قرار دیا اور ان کی نفرت کو اپنی نفرت قرار دیا؟ یہ اس لئے کہ اس محبت اور نفرت کے پیچھے ایک راز ہے اور وہ گوہر ہمیں حاصل کرنا ہے۔ وہ کہاں ہے؟ وہ گوہر سیرت کے دروازے کھولنے سے ہاتھ آئے گا یعنی محبت نے درِ سیرت تک پہنچا دیا لیکن سیرت کے دروازے پہ تالے پڑے ہوئے ہیں اور بہت مضبوط سیل کر دیا گیا ہے۔

کچھ لوگوں نے ہمیں ائمہ اور اولیاء اللہ علیہم السّلام سے دور کیا، جیسے بنو امیہ نے نفرت اور دشمنی کی بنا پر بہت سارے لوگوں کو دور کیا ہے۔ آج جو در اہل بیت علیہم السّلام سے دور ہیں ان کی اکثریت بنو امیہ کی نفرت کی وجہ سے ہے۔ انہوں نے اہل بیت علیہم السّلام کا درِ محبت بند کیا اور بند کرنا چاہا لیکن کچھ لوگوں کو محبت تھی لیکن انہوں نے سیرتِ اہل بیتؑ کا در بند کر دیا۔ دروازۂ محبت بغض کی وجہ سے بند ہوا لیکن دروزۂ سیرت محبت کی وجہ سے بند ہوا، محبت تو ہمیں سیرت تک لائی تھی، فلسفۂ محبت سیرت سے تکمیل ہوتا ہے، اگر سیرت نہ ہو تو محبت بے حکمت اور بے مقصد رہ جاتی ہے اور محبت احساسات اور جذبات میں بدل جاتی ہے نہ کہ معرفت میں۔ اس محبت کو حتماً فلسفہ چاہیے ہے جو سیرت سے تکمیل ہوتا ہے۔ اس وجہ سے خداوند تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا کہ

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ...... [۱]

ترجمہ: کہہ دیجئے: اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا......

اگر خدا سے محبت ہے تو میری اتباع کرو۔ اگر ہمیں خدا سے محبت ہے تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کریں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کریں۔ وہ حبیبِ خدا ہیں اور حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت خدا سے محبت ہے۔ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرنے سے انسان محبوبِ خدا بن جاتا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ ہم حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیوں محبت کریں؟ اس محبت کا کیا فلسفہ ہے۔ وہ اس آیت میں ہے یعنی یہ محبت آپ کو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

---

[۱]......(سورۃ آل عمران: ۳۱)

تک لے آئے گی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود کے اندر موجود گوہر کی طرف ایک اور دروزہ ہے جس کا نام اسوہ اور سیرت ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ......[1]

ترجمہ: بے شک تمہارے لئے پیغمبر اسلامؐ کی ذات میں (پیروی کیلئے) بہترین نمونہ موجود ہے۔

سیرت کے در کو کھولنے کی ضرورت ہے اوراس پر پڑی غبار کو ہٹانے کی ضرورت ہے۔ راستوں اور دروازوں کی گرد وغبار آنے جانے سے دور ہوجاتی ہے جیسے بعض امام بارگاہوں میں سال بھر مٹی پڑی ہوتی ہے جسے محرم کے ایام میں صاف کر دیا جاتا ہے لیکن جن مسجدوں میں لوگوں کی آمد و رفت رہتی ہے وہاں مٹی نہیں پڑتی۔ سیرت دروازہ ہے جو کثرت سے رفت و آمد اور چوبیس گھنٹے کھلا رکھنا ہوگا، نہ کہ ایک دو دن ایک لکچر یا مطالعہ کے ذریعے کھلے گا۔ جن چیزوں کو ہم بند کر سکتے ہیں اسے کھول بھی سکتے ہیں۔ یہ تو نہیں ہوسکتا کہ بند ہم نے کیا ہو اور کھولے کوئی اور۔ سیرت کا در ہمارے نہ جانے سے بند ہوگیا ہے اور ہمارے جانے سے ہی کھلے گا۔

کیوں تاریخ کو سیرت سمجھ بیٹھے؟!

درِ سیرت کھولنا بہت ضروری ہے میں۔ درِ سیرت کتنا مضبوطی سے بند کیا ہوا ہے اوراس در کو ان لوگوں نے نہیں بند کیا جنہیں نفرت تھی بلکہ جنہیں محبت تھی انہوں نے

---

[1]......(سورۃ الاحزاب: ۲۱)

نہ جاننے اور معرفت نہ ہونے کی وجہ سے بند کیا ہے۔ سیرت کے نام پر جو کتابیں ہیں یعنی سیرتِ معصومین علیہم السلام، سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، سیرتِ ائمہ اطہار علیہم السلام پر بہت قدیم سے، صدیوں پہلے کی لکھی ہوئی کتابیں آج تک موجود ہیں لیکن سیرت کے نام پر لکھی گئی ان کتابوں میں سوائے سیرت کے ہر چیز موجود ہے۔ درحقیقت تاریخ کی کتابوں کو سیرت کا نام دیا گیا ہے یعنی سیرت سے اتنے دور ہیں کہ تاریخ اور سیرت میں فرق معلوم نہیں ہو رہا کہ تاریخ نبیؐ کیا ہے اور سیرت نبیؐ کیا ہے؟ تاریخ معصومینؑ کیا ہے اور سیرتِ معصومینؑ کیا ہے؟ تاریخ حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کیا ہے اور سیرتِ سیدہ سلام اللہ علیہا کیا ہے؟ ظاہر ہے جن راستوں پر انسان نہیں چلتا ان کے نشان مٹ جاتے ہیں اور جو دروازے استعمال نہیں ہوتے وہ آہستہ آہستہ دیواروں میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ سیرت کا دروازہ اس حد تک بند رکھا گیا اور لاتعلقی اختیار کی گئی کہ سیرت تاریخ میں بدل گئی اور ہم تاریخ کو سیرت کہنے لگے حالانکہ تاریخ اور سیرت میں فرق ہے۔

معصومین علیہم السلام کی تاریخِ ولادت، جائے ولادت، واقعات و حوادث، والدین اور اجداد کے بارے میں لکھ کر کہتے ہیں کہ یہ سیرت ہے اور ہم قانع ہو جاتے ہیں کہ یہی سیرت ہے کیونکہ سیرت کا دروازہ اس حد تک بند رکھا کہ سیرت کے نام سے نامانوس ہو گئے۔

سیرت سے مراد

سیرت: طرز، انداز، ڈھنگ، روش اور چال و چلن کو کہتے ہیں۔ چلن، چلنے اور چال چلنے کے انداز کہتے ہیں۔ بعض لوگوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کا چال چلن

اچھا نہیں ہے یعنی جو چل رہا ہے وہ بھی درست نہیں ہے اور جو انداز ہے وہ بھی درست نہیں ہے جبکہ بعض افراد ایسے ہوتے ہیں جن کی چلن درست ہوتی ہے لیکن چال درست نہیں ہوتی ہے جیسے بعض لوگ غلط بات کرتے ہیں اور انداز اس سے بھی زیادہ غلط ہوتا ہے یعنی غلطی پہ غلطی کرتے ہیں۔ کچھ لوگ جھوٹ بولتے ہیں اور انداز اس سے بھی غلط ہوتا ہے۔ بعض سچ بول رہے ہوتے ہیں لیکن انداز اتنا بھونڈا ہوتا ہے۔ سچ بولنے اور بات کرنے کا بھی ایک انداز اور ڈھنگ ہوتا ہے۔ اسی طرح بعض بہت اچھی اور مفید کتاب لکھیں گے، اچھی تقریر کریں گے، اچھی گفتگو کریں گے، کسی سے ہمدردی کریں گے لیکن ایسا بھونڈا انداز اپنائیں گے کہ سارا فائدہ گم ہو جائے گا ہے لہٰذا چال اور چلن دونوں درست ہونا چاہیے۔

لوگ ظاہری حیاتِ دنیوی میں زندگی گزارتے ہیں یعنی گھر بناتے ہیں، خاندانی روابط بڑھاتے ہیں، کھانے پینے کی اشیاء لاتے ہیں، بچوں کی تعلیم و تربیت اور اسی طرح دیگر امور زندگی سے ظاہری زندگی کو تشکیل دیتے ہیں۔ زندگی تو سبھی گزار رہے ہوتے ہیں لیکن زندگی گزارنے کا ایک ڈھنگ (Style) ہوتا ہے جس میں فرق ہوتا ہے یعنی گھر مکمل بنائیں گے لیکن گھر کے ڈیزائن میں فرق ہے بعض لوگ منظم ہوتے ہیں جو گھر میں ہر چیز کو مناسب اور معین جگہ پر رکھ دیتے ہیں اور وہی سے اٹھا لیتے ہیں لیکن بعض لوگوں کو نہیں معلوم کہ بوٹ کہاں رکھنا ہے، جوراب کہاں رکھنا ہے، بیگ کہاں رکھنا ہے یعنی ان کی کوئی ترتیب نہیں ہوتی کہ چیزیں کہاں رکھنا ہے جس وجہ سے چیزیں رکھتے کہیں ہیں اور ڈھونڈتے کہیں ہیں۔ خواتین زیادہ سلیقہ مند ہوتی ہے لیکن بعض مرد ممکن ہے کہ ایسے بے ڈھنگے ہو جو خیال نہیں رکھتے ہیں گھر آئے تو بیگ کہیں اور پھینک دیا، کتاب کہیں پھینک دی، فائل کہیں پھینک دی، بوٹ اور جوراب کہیں اور اتار دیا اور کپڑے کہیں اور اتار دیئے پھر دوسرے

دن جوراب فریج سے اور بوٹ اوون سے ملتا ہے! یہ ان کی زندگی تو ہے مگر بے ڈھنگ، بے ترتیب اور بے نظم ہے۔ کچھ لوگوں کی زندگی میں بڑا نظم ہوتا ہے۔

اگر ہمارا ایک آشنا شخص جا رہا ہو اور اس کی پشت ہماری طرف ہو تو اس کا چہرہ دیکھے بغیر ہم کہتے ہیں کہ فلاں شخص جا رہا ہے۔ کہاں سے پہچانا کہ فلاں شخص جا رہا ہے؟ تو ہم کہتے ہیں کہ اس کے چلنے کے انداز سے پہچان لیا کیونکہ اس چال میں وہی شخص چلتا ہے۔ سیرت بھی اسی ڈھنگ، طرز اور انداز کو کہتے ہیں۔ کیا کھایا؟ کیا پیا؟ اور کیا کیا؟ یہ زندگی ہے سیرت نہیں۔ کیسے کھایا؟ کس طرح پہنا؟ کیسے کیا؟ یہ سیرت ہے۔

سیرت کے باب میں سیکولرزم کا اشتباہ!

ہم کہتے ہیں کہ حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا اسوہ ہیں تو فوراً ذہن میں ایک سوال میں آتا ہے خصوصاً آج کے متمدن، مترقی، ماڈرن، کمپیوٹر و الیکٹرانک ٹیکنالوجی اور خلائی ایجادات کے دور کی دنیا میں ہمیں کدھر قدیم زمانے میں بھیج رہے ہو؟ یہ سوال خصوصاً وہ لوگ کرتے ہیں جو زیادہ متدین نہیں ہے اور دین سے ان کا زیادہ تعلق نہیں ہوتا ہے۔ آج ہماری سوسائٹی کو سیکیولرزم کی طرف دھکیلا جا رہا ہے۔ سیکولر معاشرہ بنانے کے لیے ان اسوؤں کو کالعدم قرار دینا ہوتا ہے، دین کو قدیم قرار دینا ہے اور دین کے زمانے کو اختتام یافتہ زمانہ قرار دینا ہے۔ اس کے لیے جو دلیلیں گھڑی جاتی ہیں وہ یہ ہیں کہ آج کے مترقی، ترقی یافتہ اور متمدن زمانے کو ۱۴۰۰ سال پرانے زمانے میں کیوں لے جا رہے ہو؟ جیسے یہ کہتے ہیں کہ حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کا حقِ مہر اُس دور میں ڈھائی روپیہ تھا تو آج بھی ہم اپنی بہنوں اور

بیٹیوں کی شادی ڈھائی روپیہ میں طے کریں؟ حضرت زہراء سلام اللہ علیہا چکّی چلاتی تھی تو ہماری بیٹیوں کو چکّی سکھائیں اور چکّی خرید کر دیں؟ حضرت زہراء سلام اللہ علیہا کا کھجور کے پتوں سے بنا ہوا ایک سادہ کمرہ تھا آیا ہم بھی اپنی خواتین کو جھونپڑوں میں لے جائیں؟ یا حضرت زہراء سلام اللہ علیہا اس وقت جو لباس پہنتی تھی کیا وہ ہم اپنی خواتین کو پہنائیں؟ سیکولر لوگ کہتے ہیں کہ دنیا آگے جا رہی ہے اور آپ ہمیں پیچھے کی طرف رہنمائی کر رہے ہیں۔ ویسے آج کے دور میں بھی اور بڑے بڑے تاریخی علماء گزرے ہیں جو بہت سی چیزوں کا انکار کرتے ہیں جیسے کوہاٹ میں ایک عالم ہے جنہوں نے اپنی زندگی میں ٹینڈے نہیں کھائے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زندگی میں ٹنڈے کھائے یا نہیں کھائے؟ نہیں پتا اس لیے میں بھی نہیں کھاتا! میں بس وہ چیزیں کھاؤں گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھائیں ہیں۔ یہ غلطی اور اشتباہ ہے اسی سے ہم لوگوں کو دین سے بدظن کر دیتے ہیں۔

ہمیں یہ فرق معلوم ہونا چاہیے کہ معصومین علیہم السلام نے جو اپنی زندگی بسر کی ہے، ان کا طرز زندگی کیا تھا؟ حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا نے اپنے تمدّن کے مطابق اپنی زمانے کی زندگی بسر کی ہے البتہ ان کا تمدّن بھی دین تھا، ایسا نہیں ہے کہ ان کا دین الگ اور تمدّن الگ ہے۔ حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا نے اپنے زمانے کے وسائل کے مطابق اپنی زندگی بسر کی ہے یعنی اس زمانے کے وسائل میں چکّی تھی، اسی طرح اپنے زمانے کے وسائل میں سفر کیا ہے۔ یہ ہم نہیں کہتے کہ حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کی سیرت پر عمل کرنے سے مراد یہ ہے کہ جس طرح بی بی سلام اللہ علیہا نے شُتر (اونٹ) پر سفر کر کے مکہ سے مدینہ ہجرت کی، مدینے سے مکہ حج پر گئیں اور اپنے زمانے کے وسائل کے مطابق دیگر امورِ زندگی انجام دیا اسی طرح ہم بھی انہیں وسائل کا استعمال کریں! ہمیں یہ نہیں دیکھنا کہ آپ سلام اللہ علیہا کس پر سوار ہوئی بلکہ دیکھنا ہے کہ

حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کی سواری کا انداز کیا تھا؟ بیشک آپ اپنے زمانے کے وسائل میں سفر کریں مثلاً گاڑی میں سفر کریں کیونکہ گاڑی چھوڑ کر اونٹ پر سفر کرنا اور اپنے زمانے کے وسائل کو چھوڑ کر قدیم زمانے کے وسائل استعمال کرنا اور اُس زمانے جیسی زندگی بنانا واقعاً عقب ماندگی اور پست ماندگی ہے۔

سیکولر لوگوں کا اشتباہ یہ ہے کہ وہ سیرت اور سیر (زندگی اور سیرت) میں فرق نہیں سمجھے ہے۔ سیرت کا مطلب یہ ہے کہ وہی طرز جو انہوں نے اپنے زمانے کے وسائل استعمال کر کے اپنائیں تھیں وہی ہم اپنے زمانے کے وسائلِ زندگی استعمال کر کے اپنائیں۔

یہاں سے یہ دروازہ کھل جاتا ہے کہ ہم فلسفۂ محبت اور سیرت بھی سمجھ جائے اور معرفت بھی ہوجائے گی اور وہ گوہر جو اس صدف کے اندر موجود ہے جس سے خدا نے محبت کرنے کا کہا تھا اس کی حکمت بھی معلوم ہوجاتی ہے اور سیرت کا در کھل جاتا ہے۔ ہم نے اپنے موجود وسائل سے اپنی زندگی گزارنا ہے نہ کہ اس زمانے کی زندگی گزارنی ہے لیکن آج اپنی زندگی گزارنے کا طرز، انداز، طریقہ اور ڈھنگ وہ ہو جو حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کا تھا۔

قرآن میں بطور سیرت انبیاءؑ کا تذکرہ

سیرت کا بہترین منبع قرآن ہے۔ قرآن میں قصص الانبیاءؑ تاریخ نہیں ہے بلکہ سیرت انبیاءؑ ہے جیسے قرآن میں یہ نہیں لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ، حضرت ابراہیم اور دیگر انبیاء علیہم السلام کہاں اور کب پیدا ہوئے؟ لیکن ان کی تمام سیرت قرآن میں بیان کی گئی ہے۔ ہماری زیادہ توجہ تاریخ پر ہے جیسے ایک بزرگ استاد کہتے ہیں کہ لوگوں کے ذہن یہ

سوال ہوتا کہ حضرت موسیٰ ؑ کی پھوپھی کا کیا نام ہے؟ یا حضرت آدمؑ نے جو پودا کھایا تھا اس کا کیا نام تھا؟ یعنی ہماری دلچسپیاں ان چیزوں میں ہے لیکن قرآن نے ان دلچسپیوں کا رخ موڑا ہے کہ ان طرح کی چیزوں کو چھوڑ و اور ان انبیاء علیہم السلام کی سیرت پر نگاہ اور توجہ کرو۔

شہید مرتضیٰ مطہریؒ نے سیرت معصومین علیہم السلام کے نام پر ایک کتاب لکھی ہے جس کے ضمن میں سیرتِ امام صادق علیہ السلام، سیرتِ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام، سیرتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ضمناً سیرتِ حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ شہید مطہریؒ نے یہ کتاب واقعاً سیرت پر لکھی ہے۔

بشریت کی نجات کے اسوے

حضرت زہراء سلام اللہ علیہا مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے اسوہ ہیں، یہ غلطی کی جاتی ہے اور غلط جملہ کہا جاتا ہے کہ حضرت زہراء سلام اللہ علیہا صرف عورتوں خواتین کے لئے اسوہ ہیں اور یہ غلط ہے کہ ہم تقسیم کر دیں کہ حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا عورتوں کے لیے اسوہ ہیں اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام مردوں کے لیے اسوہ ہیں۔ حضرت زہراء سلام اللہ علیہا اور امیر المومنین علیہ السلام یکساں تمام مرد وعورت اور انسانیت و بشریت کے لئے اسوہ ہیں۔ اگر خواتین کے کچھ مخصوص فقہی مسائل ہیں تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا بلکہ حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کی سیرت یکساں دونوں کے لیے ہے۔

اس گفتگوں کے تناظر میں دیکھیے کہ حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کی سیرت کیا تھی یعنی انداز اور طرز کیا تھا؟ ہماری زیادہ توجہ حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کی زندگی پر ہے لیکن ہمارے لیے ان

کی زندگی کے انداز کی معرفت حاصل کرنا ضروری ہے۔ حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کی زندگی کے بارے میں جاننا بھی ایک معرفت ہے لیکن زندگی کے انداز کی معرفت زندگی کے بارے میں جاننے سے کہیں زیادہ ضروری ہے۔ سیرتِ سیدہ سلام اللہ علیہا کا دروازہ کھولنا اہم ترین ہے۔ اگر حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کی زندگی اور سیرت کا صحیح معنی و مفہوم معلوم ہوجائے تو اپنے معاشرے میں سیرتِ سیدہ سلام اللہ علیہا کے مطابق زندگی گزارنا آسان ہوجائے گا۔

ہم نے معصومین علیہم السلام کو ایک پہلو اور ایک دروازے سے دیکھا ہے لیکن وہ دروازہ جو ذاتِ حق تعالیٰ نے مقرر کیا ہے اسوہ ہے، اس سے انہیں جاننے کی کوشش کم کی گئی ہے۔ اگر تاریخ میں ہمیں بعض موقعوں پر یہ نظر آتا ہے کہ کوئی بڑا کام ہوا ہے یا کارنامہ سرزد ہوا ہے تو وہ اسی باب کے کھلنے سے ہوا ہے مثلاً انسان کا صدیوں سے ذکر، مصائب، حوادث و واقعاتِ عاشورا سے سروکار ہے لیکن بعنوان اسوہ عاشورا بہت کم توجہ ہوئی ہے،۔اس کی طرف جب بھی توجہ ہوئی ہے تو اس نے اپنا اثر دکھایا ہے اور اس کا اہم ترین اثر انقلابِ اسلامی ایران ہے۔ انقلابِ اسلامی تاریخ عاشورا کا نتیجہ نہیں ہے، انقلاب اسلامی فقط واقعاتِ عاشورا کا اثر نہیں ہے، انقلاب اسلامی فقط ذکرِ عاشورا کا اثر نہیں ہے بلکہ انقلابِ اسلامی عاشورا کو بعنوان اسوہ قرار دینے کا نتیجہ ہے۔ امام راحلؒ نے عاشورا اور سید الشہداء علیہ السلام کو اپنے لئے ایک اسوہ قرار دیا۔

سید الشہداء علیہ السلام سے محبت سب کو تھی۔ سید الشہداء علیہ السلام بعنوان سید شبابِ اھل الجنۃ سب کی توجہ کا مرکز بنے ہیں چونکہ جنت کے سردار ہیں اور ان کے اختیار میں جنت ہے اور جو ان سے محبت کرے گا، جو ان کا ذکر کرے گا وہ بہشت میں جائے گا لہٰذا اس لحاظ سے ہر مسلم کی توجہ کا مرکز ہیں حتیٰ جو سید الشہداء علیہ السلام کو امام نہیں بھی مانتے وہ بھی سردار جنت

مانتے ہیں لہٰذا بعنوان سردارِ جنت سید الشہداء علیہ السلام سے رابطہ جنت کے لئے رکھتے ہیں، اگر سید الشہداء علیہ السلام بعنوان اسوہ نہ بھی ہوں تو بھی ان سے محبت کر کے جنت میں جایا جا سکتا ہے۔ امام ماننے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کرتے اور امام مانے بغیر سردارِ جنت مان کر مطمئن ہیں کہ ہم سید الشہداء علیہ السلام کے ذریعے بہشت اور جنت تک پہنچ جائینگے۔ حتیٰ جنہوں نے سید الشہداء علیہ السلام کو امام مانا انہوں نے بھی سردارِ جنت مان کر پھر امام مانا لیکن اسوہ کی حد تک آگے نہیں آئے کہ امام حسین علیہ السلام کی ذات ہمارے لئے اسوہ بھی ہے۔ ہمیں پوری تاریخ میں بہت کم لوگ نظر آئے ہیں حتیٰ علماء اور مراجع تقلید میں جنہوں نے سید الشہداء علیہ السلام کو امام اور سردارِ جنت ہونے کے ساتھ ساتھ اسوہ بھی مانا ہے۔ روزِ عاشور سید الشہداء علیہ السلام کا ایک خطبہ ہے جس میں سید الشہداء علیہ السلام نے لوگوں کے سامنے اپنا یہ عنوان پیش کیا:

لَكُمْ فِيَّ اُسْوَةٌ ......[1]

میری ذات تمہارے لئے اسوہ ہے۔

اسوہ سے رابطہ کیسے برقرار کریں؟

اسوہ سے زبانی رابطہ برقرار نہیں ہوسکتا چونکہ اسوہ کی نوعیت ایسی ہے کہ زبانی کلامی یا حتیٰ محبت سے بھی اسوہ سے رابطہ برقرار نہیں ہوسکتا۔ اسوہ کے ساتھ رابطہ سیرت کے ذریعے برقرار ہوسکتا ہے، سیرت وہ دروازہ ہے جو انسان پر اسوہ کی طرف کھلتا ہے جیسے

---

[1]......(تاریخ طبری ج ۴، ص ۳۰۴)

قرآن کا فرمانا ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ......[1]

ترجمہ: بے شک تمہارے لئے پیغمبرِ خداؐ کی ذات میں (پیروی کیلئے) بہترین نمونہ موجود ہے۔

سیرت کے ذریعے انسان کی رسائی اسوہ تک ہوتی ہے۔ سیدالشہداء علیہ السلام اور تمام معصومین علیہم السلام اسوہ ہیں اور ان اسوات تک رسائی فقط بابِ سیرت سے میسر ہے۔ باقی سارے راستے ہمیں اسوہ کے در تک لے جاتے ہیں لیکن داخلہ سیرت کے ذریعے سے ہی ممکن ہے۔ محبت ہمیں ان کے قریب لے جاتی ہے لیکن اس کے بعد سیرت ہے جس کو انسان نے طے کرنا ہے۔

اسی طرح حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کی ذاتِ گرامی تمام بشریت و انسانیت کے لئے اسوہ ہیں۔ ہم محبت کے ذریعے اس اسوہ کے قریب ہو سکتے ہیں، عقیدت، ارادت اور مودت کے ذریعے اسوہ سے ہمیں قربت حاصل ہو جاتی ہے لیکن وہ چیز جو ہمیں اسوہ کی ذات، شخصیت اور طرزِ زندگی سے آشنا کرتی ہے، وہ سیرت ہے۔ پہلے عرض کیا تھا کہ سیرت سے مراد تاریخ نہیں ہے تاریخ اور چیز ہے اور سیرت الگ چیز ہے۔ تاریخ سیرت سے آشنائی کا منبع ہو سکتی ہے لیکن خود سیرت نہیں ہے۔ سیرت سے مراد طرزِ زندگی ہے یعنی جس انداز سے ایک اسوہ زندگی بسر کرتا ہے ہم اس کی زندگی کے انداز کو سیرت کہیں گے نہ کہ خودِ زندگی کیونکہ خودِ زندگی ایک الگ چیز ہے۔

---

[1]......(سورۃ الاحزاب: ۲۱)

امیر المومنین علیہ السلام کی طرزِ زندگی

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جیسی زندگی میں نے بسر کی ہے اس طرح کی زندگی کوئی بسر نہیں کر سکتا حتیٰ زمانۂ امیر المومنین علیہ السلام میں بھی بسر نہیں کر سکتا۔ اس وجہ سے نہیں کہ حضرت کی زندگی بڑی مُرفّہ و پر تعیش تھی بلکہ ویسی زندگی بسر کرنا اس قدر دشوار اور سخت تھا کہ کسی کے لئے مقدور نہیں تھا۔ آج ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے ۔ انسان خلیفہ و امیر المومنین ہو اور پوری سلطنت اسلامیہ کا بیت المال اس کے اختیار میں ہو اور وہ معنوی لحاظ سے اتنی عظیم المرتبت شخصیت ہو کہ مظہرِ صفاتِ خدا ہو لیکن اس کا کھانا جَو کی خشک روٹی ہو۔ خود حضرتؑ نے فرمایا کہ میری زندگی آپ نہیں اپنا سکتے لیکن طرزِ زندگی ہم اپنا سکتے ہیں ۔ خود حضرتؑ کی زندگی ہمارے لئے دشوار ہے۔

ہم نے تخّیل کے ذریعے خود ساختہ ذہنی تصویریں بنائی ہوئی ہیں جیسے زیارات پہ جو لوگ گئے ہیں انہوں نے دیکھا ہوگا کہ ایران وعراق میں ائمہ معصومین علیہم السلام میں سے بعض ہستیوں کی خیالی تصویریں بنی ہوئی ہیں جبکہ کسی نے انہیں دیکھا نہیں ہے مگر تخیل کی مدد سے ذہن میں کچھ نقوش و نگار بنا کر ایک خیالی تصویر بنالی ہے یعنی ہماری نظر میں امیر المومنین علیہ السلام کی جو خیالی تصویر ہے وہ کچھ اور ہے اور امیر المومنین علیہ السلام کی حقیقی شخصیت کچھ اور ہے۔ ہمارا تخیل ہرگز اس قابل نہیں ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام کی حقیقت تک پہنچ سکے۔ جو بھی تخیل میں بنا ہوا ہے یقین جان لیں کہ وہ حقیقت سے بہت دور ہے۔ ہماری نظر میں امیر المومنین علیہ السلام ایک شہنشاہ اور بادشاہ ہیں جس نے سر پہ تاج رکھا ہو، پرنیاں اور زربفت کا لباس پہنے ہوا ہے اور ان کے دائیں بائیں لوگ کھڑے ہوں۔

عموماً مجالس میں ذاکر یا خطیب اپنی زبانِ تخیّل سے امیرالمومنین علیہ السلام کی اس طرح سے تصویر بناتا ہے لیکن حقیقت میں امیرالمومنین علیہ السلام کی شخصیت ایسی نہیں ہے۔

امارت وخلافت کے زمانے میں جب فوج کے سپہ سالار اعلیٰ اور امیرالمومنین علیہ السلام نے ایک بہت بڑی وسیع سلطنت کے حاکم ہونے کے باوجود جنگ صفین کے لئے سفر کیا اور اس سفر کے دوران حضرتؑ کا جوتا پھٹ گیا۔اب یہاں سے اندازہ لگائیں کہ امیرالمومنین علیہ السلام، سپہ سالار اعلیٰ، کمانڈر انچیف کا راستے میں جوتا پھٹ گیا تو جوتا خود ٹانکنے لگے۔ یوں نہیں کہ ایک پورا عملہ ساتھ ہے جو امیرالمومنین علیہ السلام کے فقط جوتے پالش کرتا ہو یا کوئی دوسرا جوتا ساتھ رکھا ہوا ہو کہ ایک پھٹ گیا تو دوسرا لے لیں۔ وہ جوتا جو پھٹ گیا وہ کیسا ہوگا؟ وہیں پر حضرتؑ نے اتار کر خود اپنے ہاتھ سے ٹانکنا شروع کیا، کسی سے کہا بھی نہیں کہ میرا یہ جوتا ٹانک دو۔ امیرالمومنین علیہ السلام کمانڈر انچیف ہیں، پوری فوج رُکی ہوئی ہے اور امیرالمومنین علیہ السلام اپنا جوتا پیوند لگا رہے ہیں۔ امیرالمومنین علیہ السلام نے وہاں رک کر ابن عباس سے پوچھا کہ بتاؤ اس جوتے کی قیمت کیا ہے؟

ابن عباس کو قیمت بتاتے ہوئے بھی شرم محسوس ہوئی اور کہا کہ یہ جوتا اتنا پھٹ چکا ہے اور اتنے پیوند اس پہ لگے ہوئے ہیں کہ پیوند بھی پھٹ گئے ہیں اور پیوند کو بھی پیوند لگے ہوئے ہیں۔ ابن عباس نے کہا کہ اگر آپ اسے ایسے ہی پھینک دیں تو کوئی برہنہ پا جس کو جوتے کی اشد ضرورت ہو وہ بھی یہ اٹھا کے نہیں پہنے گا بلکہ یہ کسی سے پہنا نہیں جاتا اور یہ صرف آپ ہی پہن سکتے ہیں!

جب ابن عباس نے قیمت بتائی کہ یہ اس کی قیمت ہے تو وہاں حضرتؑ نے فرمایا کہ وہ حکومت اور اقتدار جس کے ذریعے میں انصاف قائم نہ کرسکوں میرے نزدیک اس پھٹے

ہوئے جوتے سے بھی بے قیمت ہے۔ یہ امیر المومنین علیہ السلام کی حقیقی شخصیت ہے جو نہج البلاغہ میں بیان ہوئی ہے جو تخیل میں نظر نہیں آئے گی۔ اگر امیر المومنین علیہ السلام کی حقیقی شخصیت دیکھنی ہے تو نہج البلاغہ میں دیکھیں۔ نہج البلاغہ میں شخصیت علیؑ موجود ہے لیکن چونکہ ہم نے نہج البلاغہ کو صرف زینت کے لئے رکھا ہوا ہے، کھول کے نہیں دیکھتے کہ اس کے اندر کیا لکھا ہوا ہے۔ اب ہم دیکھیں ہمارے ذہنوں میں امیر المومنین علیہ السلام کی جو تخیّلی شخصیت ہے اور امیر المومنین علیہ السلام کو شاعروں نے قصیدوں میں جو جوتے پہنائے ہیں وہ کیسے جوتے ہیں؟ اور امیر المومنین علیہ السلام کا حقیقی جوتا کیسا تھا؟ آج شاید دیہات میں بھی کوئی ایسا جوتا پہن کر چلنے کے لئے تیار نہ ہو چہ جائے کہ شہر میں کسی کو کہا جائے کہ ایسا جوتا پہن لو۔

خود امیر المومنین علیہ السلام نے کہا کہ یہ اتباع نہیں ہے اور سیرت اپنانا یہ نہیں ہے کہ پھٹا ہوا جوتا پیوند پر پیوند لگا کر پہنیں۔ آپؑ نے فرمایا کہ جیسے میری زندگی ہے ویسی آپ بسر نہیں کر سکتے ہیں یعنی خودِ زندگی آپ کے لئے دشوار ہے لیکن طرزِ زندگی اپنا سکتے ہو۔ حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کی زندگی بہت دشوار زندگی ہے کہ آج کوئی اپنا نہیں سکتا لیکن طرزِ زندگی اپنا سکتے ہیں کیونکہ وہی تو مقصد ہے۔

اسوہ سازی کا مقصد

اگر معصومین علیہم السلام کی طرزِ زندگی اپنانا ممکن نہ ہو تو خدا نے ان کو اسوہ کیوں بنایا؟ ان کا مقصد خلقت یہ ہے کہ یہ دوسروں کے لئے نمونہ بنیں۔ نمونہ وہ ہوتا ہے کہ جس کے طرز کو انسان اپنا سکے۔ اگر اس کا طرز نہیں اپنا سکتے تو اسے اسوہ بنانا لغو اور عبث ہے اور کیوں خدا نے

ایسا نمونہ مقرر کیا ہے جسے ہم اپنا نہیں سکتے؟ پس یہاں ہمیں دو چیزوں یعنی زندگی اور طرزِ زندگی میں فرق کرنا ہوگا۔ان کی زندگی اپنے زمانے کے لحاظ سے تھی۔ان کی زندگی ایک خاص حد کی زندگی تھی جو ہمارے لئے تصور سے بھی باہر ہے۔ ہمارے تخیل میں جو کچھ ہے وہ اور چیز ہے لیکن حقیقت جو کچھ ہے وہ الگ ہے۔ ہم حقیقت کو تاریخ سے کسی حد تک جان سکتے ہیں۔ ہم اپنے زمانے کی زندگی بسر کریں، آج کے وسائل کے ساتھ زندگی بسر کریں، آج کے ماحول کی زندگی بسر کریں لیکن ہماری زندگی کی ادا، ہماری زندگی کا طرز اور ہماری زندگی کا ڈھنگ وہی ہو جو حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کا تھا۔

ہم کس طرح سے وہ طرز اپنائیں؟ وہ طرز کیا ہے؟ درحقیقت طرزِ زندگی ان اقدار کا نام ہے جو انہوں اپنی زندگی کے لئے اصول کے طور پر اپنائی تھیں۔ وہ اقدار جنہیں حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا نے اپنی زندگی کے اصول بنایا تھا اور فرمایا کہ ان اصولوں کے تحت میں نے زندگی بسر کرنی ہے۔ وہ اصول درحقیقت اسوہ ہیں اور وہ اصول سیرت ہیں اور ان اصولوں کو اپنایا جاسکتا ہے۔ آپ ان کے انداز میں زندگی بسر کریں

آبائی رسومات کو دین بنانے کا المیہ

آج پاکستان میں خواتین کا جو کلچرل لباس ہے وہ قطعاً حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کے پاس نہیں تھا چونکہ شلوار قمیض ہمارا مقامی لباس ہے البتہ آج شعراء یا ذاکرین اپنے کلام میں تخیل کی مدد سے باقاعدہ مکمل پاکستانی لباس پہناتے ہیں اور باقاعدہ بیان کرتے ہیں کہ اس وقت شلوار ایسے تھی، قمیض ایسے تھی، فلاں چیز ایسے تھی۔

ہم نے جو دین اپنایا ہوا ہے، وہ کلچرل دین ہے اور خود دین کی طرف جانے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔ ہمارا جو انڈین کلچر تھا، ہم نے اسی پر تقدس کا رنگ چڑھا کر گلے لگالیا اور اللہ کے دین کو کنارے پے رکھ دیا۔ کلچرل دین کو قرآن نے آبائی دین کہا ہے۔ کلچرل دین میں کہا جاتا ہے کہ ہمارے آباء یوں کرتے ہوئے آئے ہیں لہٰذا ہم بھی ایسا ہی کریں گے۔

انبیاء علیہم السلام نے جب بھی لوگوں سے کہا کہ

وَاِذَا قِیۡلَ لَهُمۡ تَعَالَوۡا اِلٰى مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوۡلِ......

اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ اس کی طرف آؤ جو اللہ نے نازل کیا ہے اور رسول کی طرف، اس کے جواب میں ہمیشہ یہ کہتے تھے......

......قَالُوۡا حَسۡبُنَا مَا وَجَدۡنَا عَلَيۡهِ اٰبَآءَنَا......

تو کہتے ہیں کہ ہمیں وہ کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا......

ہمارے لئے وہ آبائی رسومات اور آبائی طور طریقے کافی ہیں۔ ہر قوم کے نبی اور معصومؑ کو یہی جواب آتا تھا۔ آبائی طریقہ کار، کلچر اور ثقافت درحقیقت آبائی رسوم و رواج ہیں جنہیں بعض لوگ اتنا مقدس قرار دیتے ہیں کہ اسے دین کا درجہ دے دیتے ہیں۔ ہم تاریخ کو بھی کلچر کی روشنی میں لیتے ہیں اور دین کو بھی کلچر کی روشنی میں لیتے ہیں۔ جو کچھ ہمیں آباء و اجداد نے بتایا ہے، جو کچھ ہمیں گھروں میں آبائی دین نے سکھایا ہے، اسی کو گلے لگایا ہوا ہے اور قرآن نے اس آبائی دین کی مذمت بھی کی ہے:

......اَوَلَوۡ كَانَ اٰبَآؤُهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ شَيۡـًٔـا وَّلَا يَهۡتَدُوۡنَ...... [1]

---

[1]......(المائدہ:۱۰۴)

اگر چہ ان کے بڑے نہ کچھ سمجھ رکھتے ہوں اور نہ ہدایت رکھتے ہوں۔

اگر یہ آباء بیوقوف و بے عقل تھے، انہوں نے کوئی غلط طور طریقہ اپنا لیا، تم بھی انہی آباء کے پیچھے چلو گے؟ یعنی انبیاء علیہم السلام کو آباء کے ذریعے رد کرو گے؟ ائمہ علیہم السلام کو آباء و کلچر کے ذریعے رد کرو گے؟ ہماری کلچرل ذہنیت بنی ہوئی ہے اور اسی کے مطابق ہمارے شعراء اظہارات اور تخیلات کرتے ہیں اور پورے کلچر کی عکاسی ائمہ علیہم السلام کے بارے میں کر دیتے ہیں حالانکہ ہونا یہ چاہیے تھا کہ تعلیمات وسیرت ائمہ علیہم السلام کو اپنا کلچر بناتے نہ کہ اپنا کلچر جا کے ائمہ علیہم السلام کو پہناتے۔ہم ائمہ علیہم السلام کی سیرت کو اپنا کلچر بنا لیں لیکن ہم نے برعکس کام کیا کہ لینے کے بجائے دیا۔ہم نے انہیں تخیل کی مدد سے بہت کچھ دیا۔

دین کی بجائے ذہنیت بدلیں!

سب سے پہلا کام ہمیں معصومینؑ سے کچھ سیکھنے کے لئے یا دین سے کچھ سیکھنے کے لئے اپنی ذہنیت بدلنا ہے۔ اس بنی ہوئی ذہنیت کو بدل کر ہی ہم کچھ بن سکتے ہیں۔اگر ہم خود نہ بدلیں تو دین کو بدل دینگے۔اس وقت ہم دوراہے پہ یا دو چیزوں کے درمیان کھڑے ہوئے ہیں یا خود بدلیں یا دین بدلیں، یا خود بدلیں یا قرآن بدلیں، یا خود بدلیں یا معصومین سلام اللہ علیہا کو بدلیں۔خود بدلنا سخت ہے لیکن ہمارے بزرگوں نے بھی ہمیں کہا ہے کہ دین کو نہ بدلیں بلکہ خود کو دین کے مطابق بدلا کرو جیسے علامہ اقبالؒ نے بھی سب کو وصیت کی:

خود بدلتے نہیں قرآن بدل دیتے ہو

ہُوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق!......[1]

قرآن ہمیں بدلنے کے لئے آیا ہے لہٰذا خود بدلو، نہ کہ ہمارے ہاتھوں سے قرآن بدل جائے۔ معصومینؑ آئے ہیں کہ ہمیں بدلیں نہ کہ ہمارے تخیّل سے معصومؑ بدل جائیں۔ یہ سب سے زیادہ افسوس ناک پہلو ہے کہ وہ ہستیاں جو ہمیں بدلنے آئی تھیں ہم نے ان کو بدل کے پیش کر دیا۔ دین بدل دیا اور سارے کلچر کو دین بنا دیا پھر اس کلچرل دین کے منابع بھی الگ سے بنا لئے۔ جیسے ابھی ہماری زندگی میں جتنا جنتری کا عمل دخل ہے اتنا توضیح المسائل کا نہیں ہے۔ ہماری پوری زندگی جنتری کے مطابق بسر ہوتی ہے۔ جنتری ہمارے کلچر کا حصہ ہے اور یہ ہمارے کلچر کی عکاسی کرتی ہے۔ توضیح المسائل ہمارے دین کی عکاسی کرتی ہے اور دینِ الٰہی توضیح المسائل کی شکل میں ہے۔ جنتری کلچر کی نمائندہ ہے۔ ہم مرنے کے علاوہ سب کچھ جنتری کے مطابق کرتے ہیں۔ شاید آگے وہ وقت بھی آئے پہلے نحس اور سعد دیکھیں کہ مرنے کے لیے مناسب دن ہے یا نہیں!

میں نے اکثر کہا ہے کہ بعض افراد اس پہ خوش ہیں کہ جنتری جنت سے آئی ہے اسی وجہ سے اسے جنتری کہتے ہیں۔ جبکہ جنتری جنتر سے ہے اور جنتر کے ساتھ منتر بھی ہے۔ شاید جنتری کی مقبولیت کو دیکھ کے منتری بھی آ جائے۔ جنتر منتر ایک ہندو دین و کلچر ہے۔ ہم نے سارا دین جنتر منتر بنا دیا۔ جنتر اور منتر پڑھ کے دیندار ہو جاتے ہیں۔ ہم نے اصل دین ہی جنتر منتر بنا دیا۔ ہم اپنی بیماریوں کا علاج اب بھی پھونکوں میں تلاش کرتے ہیں۔ ہم نے قرآن کو پھونکوں کی کتاب سمجھا ہے۔ ہندو جنتر منتر پڑھ کے پھوکتے ہیں اور ہم قرآن پڑھ

[1]......(علامہ اقبال، اجتہاد، ضرب کلیم)

کے پھونکتے ہیں۔ ہم نے قرآن کو جنتری کی شکل میں لانے کی کوشش کی ہے۔ کس نے کہا یہ پھونکوں کی کتاب ہے؟ قرآن کتابِ منشور و آئین اور عمل کی کتاب ہے جس پہ عمل کرنا ہے۔ دین عملی اور پریکٹیکل چیز ہے۔ جنتری کا دینی کتاب ہونا ثبوت ہے کہ ہم نے کلچر کو دین بنایا ہے۔ ہم خود نہیں بدلے بلکہ دین بدل دیا۔ اگر دیندار بننا ہے تو ہمیں پہلے خود کو بدلنا ہوگا۔ ہم پہلے خود کو بدلنے کی نیت کریں اور عہد کریں کہ خود کو بدلنا ہے۔

حضرت فاطمہؑ اس کے لیے اسوہ ہیں جس نے خود کو بدلنے کا عہد کیا ہے اور ٹھان لیا ہو کہ میں نے اپنی طرزِ زندگی حضرت فاطمہؑ کے طرز زندگی کے مطابق بنانا ہے۔ حضرت فاطمہؑ اس کے لیے ہرگز اسوہ نہیں جس نے یہ ٹھان لیا ہو اور عہد کیا ہو کہ مجھے کوئی نہیں بدل سکتا۔ حتیٰ کوئی رسولؐ و جبرائیلؑ بھی نہیں بدل سکتا ہے۔ کتنی قومیں ایسی ہیں جنہوں نے یہ ہٹ دھرمی دکھائی کہ ہم نے نہیں بدلنا۔ حضرت نوحؑ نے اپنی قوم کو بدلنے کی ساڑھے نو سو سال کوشش کی لیکن قوم نہیں بدلی بلکہ قومِ نوحؑ نے پوری کوشش کی کہ ہم نے نوحؑ کو بدلنا ہے۔ حضرت نوحؑ معصوم تھے اور انہوں نے قوم کے ہاتھوں بدلنا نہیں تھا۔ آخرکار وہ لوگ غرق ہو گئے۔ جو لوگ ہٹ دھرمی دکھاتے ہیں اور معصومین علیہم السلام، آسمانی کتابوں اور دین کے ذریعے نہیں بدلتے ہیں آخرکار ان کو طوفانِ فساد، طوفانِ عریانیت، طوفانِ فحشاء اور طوفان میڈیا میں غرق ہونا پڑتا ہے۔ طوفان نوحؑ ضروری نہیں ہے کہ پانی کا طوفان ہو بلکہ یہ سب طوفان ہیں۔

دورجدید کے معاشرے اور سوسائٹی کے طوفان بھی جدید شکل کے ہیں مثلاً میڈیا پہ خواتین کی توہین آمیز تصاویر جو کہ خواتین کے مقام و عظمت کی توہین ہے جب ان پر اعتراض کیا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ اگر اچھی نہیں لگتی ہے تو آنکھیں بند کرلیں! ایک پوری قوم

اس کے اندر غرق ہو رہی ہے۔ کیوں غرق ہو رہی ہے؟ چونکہ ہٹ دھرم قوم ہے چونکہ بدلنا نہیں چاہتی اور کوشش کرتے ہیں کہ دین کو بدلیں اور اس نے دین بدل دیا ہے۔ اس نے کلچر کو دین بنالیا ہے۔

فاطمیؑ طرز زندگی

حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کی زندگی کو اگر ہم حقیقت میں آ کر دیکھیں کہ وہ کیا اصول تھے؟ کیا اقدار تھے جو حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا نے اپنی زندگی میں اپنائیں؟ اس نکتے کی وضاحت ہوتا کہ روشن ہو جائے اور عملاً ممکن ہو سکے اور آپ کو مطالعہ کا میدان مل سکے۔ سیرت مختصر موضوع نہیں ہے اور نہ حضرت سلام اللہ علیہا کی ذات کو اس مختصر کتاب میں بیان کیا جا سکتا ہے۔ اس کتاب کے ذریعے صرف حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کی زندگی کے گائیڈ لائن ہی لے لیں اور مطالعات کا رخ مل جائے تو غنیمت ہے کہ ہمیں کس طرح سے سوچنا ہے! ہمیں اس سوچ کا انداز اور نہج اس کتاب میں مل جائے تو بڑی بات ہے۔ مراد یہ نہیں ہے کہ سب گھر میں چکّیاں رکھ لیں۔ ہر گھر میں ہر خاتون کے پاس چکّی ہو جوان اور معمّر خواتین سب چکّیاں پیس رہی ہوں اگر پوچھیں کیا کر رہی ہیں؟ تو کہیں کہ ہم حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کی زندگی پر عمل کر رہے ہیں، ناں! یہ تمسخر ہے اور یہ کام نہیں کرنا۔ چکّی پیسنے کا مطلب یا چکّی پیسنے کی یہ جو سیرت ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ گھر میں اپنی ذمہ داریوں کو سمجھیں کہ وہ کیا ہیں؟ گھر میں چکّی پیسنا زندگی ہے۔ یہ زندگی ایک اصول کے تحت چکّی پیستی جا رہی ہے یعنی گھر میں خاتون کا ایک رول ہے، ایک کردار ہے۔ اب وہ ممکن ہے تعلیم و تربیت کی چکّی ہو،

وہ ممکن ہے کسی اور چیز کی چکّی ہو۔ضروری نہیں کہ وہ گندم پیسنے کی چکّی ہو۔حضرت نے کئی چکّیاں پیسیں،سختیوں کی ہو، دشواریوں کی ہو، احساس ذمہ داری کی چکّی ہو۔یوں نہیں کہ آپ بھی گندم لے کر آجاؤ اور کہیں کہ ہم نے آٹا پیسنا ہے۔

بعض لوگ ایسے کرتے ہیں۔ایک صاحب تھے وہ کہہ رہے تھے کہ چونکہ لکھا ہوا ہے اپنے آپ کو ظہور کے لئے تیار کرو اور ظہور کی تیاری کے لئے یہ ہے کہ آپ اپنے آپ کو تیر چلانے کی حد تک ہی کم از کم آمادہ کر کے رکھو۔انہوں نے گھوڑا خریدا ہوا تھا اور اس پہ ہمیشہ زین ڈال کے اور تیر و کمان لگا کے بوٹ پہن کے سوتے تھے کہ کسی بھی وقت ظہور ہو گیا تو ایسا نہ ہو کہ تیر میرے ہاتھ میں نہ ہو! دیکھیں کتنا غلط معنی ظہور کا سمجھا ہے۔اپنے آپ کو تیار کرو ظہور کے لئے اگرچہ تیر چلانے کی حد تک ہی ہو، اس سے مراد یہ ہے کہ اپنے زمانے کے وسائل، اپنے زمانے کے علوم، اپنے زمانے کے امکانات سے آپ کو مجہّز اور مسلّح ہونا چاہئے۔وہ سب کچھ آپ کے اختیار میں ہونا چاہیے جو آپ کے زمانے میں موجود ہے کہ اگر ظہور ہو جائے تو پھر یہ نہ کہو کہ ابھی ہم داخلہ لینے جاتے ہیں اور سیکھنے جاتے ہیں۔

فصل سوم:

دفاع ولایت میں خواتین کا کردار

اسوۂ حسنہ کے چار بُرج

دیکھیں! چار منتخب خواتین کا ایک عظیم مجموعہ ہے جن میں پہلی حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا ہیں پھر آپ سلام اللہ علیہا کی والدہ محترمہ حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا دوسری خاتون ہیں، تیسری حضرت مریم سلام اللہ علیہا اور چوتھی جناب آسیہ سلام اللہ علیہا زوجۂ فرعون ہیں۔ یہ چار منتخب خواتین ہیں۔ ان میں کتنا فرق ہے کہ ان میں سے دو معصوم ہیں اور دو غیر معصوم ہیں۔ حضرت مریم سلام اللہ علیہا اور حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا معصومہ ہیں اور حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا اور حضرت آسیہ سلام اللہ علیہا غیر معصوم ہیں اور چاروں کے حالات زندگی دیکھیں مختلف ہیں۔ جیسے حضرت آسیہ سلام اللہ علیہا کی زندگی سب سے منفرد ہے، ان کا شوہر فرعون ہے۔ یہ اسوہ ہیں کہ فرعون جیسے شوہر کے گھر میں رہ کر بھی ایک برگزیدہ خاتون پوری دنیا کے لئے نمونہ بن سکتی ہے۔

بعض خواتین سوال کرتی ہیں کہ شوہر ہمیں اجازت نہیں دیتے؟ مرد ایسے نادان اور جاہل بھی ہوتے ہیں۔ ہر قسم کے مرد ہیں جاہل بھی ہیں، نادان بھی ہیں، بے دین بھی ہیں، بے حیاء بھی ہیں بالآخر فرعون ایک مرد تھا۔ قرآن میں عورت کا بطور زنِ بدکردار بھی ذکر ہوا ہے مثلاً زوجۂ ابولہب یا زوجۂ حضرت لوطؑ لیکن اس کے مقابلہ میں مردوں کو دیکھیں کہ کتنے مردوں کا ذکر کیا ہے؟ خود فرعون، نمرود، قارون اور سامری یہ سب مرد ہیں۔ اگر فرعون جیسا شوہر کسی خاتون کا ہو جائے تو وہ خاتون کیا کرے؟ یہ نہ کہیں کہ ہمارے میاں ایسے ہیں کہ میاں کچھ کرنے نہیں دیتے۔ ناں! اگر فرعون جیسا شوہر بھی ہو اور خاتون کے اندر شعور پیدا

ہو جائے سب سے بنیادی نقطہ شعور ہے۔ اگر خاتون کے اندر شعور پیدا ہو جائے، وہ اگر فرعون کے گھر میں بھی ہو، اس کا میاں خدانخواستہ فرعون جیسا بھی ہو تو اس کے ساتھ رہ کر ایک خاتون اپنے زمانے کی سب سے بڑی باکردار خاتون بن سکتی ہے لیکن شعور بنیادی شرط ہے اور اگر شعور نہ ہو تو نبیؑ کی بیوی بن کر بھی بے شعورترین اور بے کردارترین عورت بن سکتی ہے۔ یوں نہیں ہے کہ شوہروں کے ذریعے سے خواتین کہیں پہنچتی ہیں، انبیاءؑ کی بیویاں ہیں لیکن اس کی یہ ازدواجی زندگی کیا کام آئی ہے جب اس کے اندر شعور نہ ہو جیسے زوجۂ نوحؑ و زوجۂ لوطؑ ہیں۔ یوں نہیں ہے کہ حتمی ایک آئیڈیل شوہر ملے تو خواتین اپنا رول اور کردار ادا کر سکتی ہیں اور اگر وہ آئیڈیل شوہر نہیں ملا تو اب کہیں کہ میاں کی وجہ سے ہم پیچھے ہیں۔ بنیادی چیز خود اپنا شعور ہے۔ فرعون کے گھر میں بھی اگر شعور آ جائے تو کہاں پہنچ سکتی ہیں؟ شعور نہ آئے تو انبیاء علیہم السلام کے گھر میں رہ کر بھی موردِ مذمت واقع ہوتی ہیں۔

چار برگزیدہ خواتین کی مشترکہ خصوصیت

جناب آسیہ سلام اللہ علیہا کا بالکل الگ ماحول، حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کا بالکل الگ ماحول، حضرت مریم سلام اللہ علیہا کا الگ ماحول، حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کا بالکل الگ ماحول لیکن اگر غور کریں اور میں نے بہت غور کیا کہ ان چار خواتین میں کیا خصوصیت تھی؟ صرف یہ نہیں کہ چونکہ روایت میں آ گیا ہے لہٰذا یہ بڑی بلند خواتین ہیں۔ روایت نے ان کو عروج پہ نہیں پہنچایا چونکہ عروج پہ پہنچی ہوئی تھیں تو ان کے بارے میں روایت آئی ہے نہ کہ روایت کی وجہ سے اونچی ہو گئیں۔ ان کی ذات اور وجود میں کچھ گوہر تھا جس وجہ سے معصومین علیہم السلام نے

ان کے بارے میں روایت بیان کی ہے۔ یوں نہیں کہ روایت بیان کرنے سے پہلے بہت معمولی سی تھیں اور جس دن سے روایت آگئی یہ بڑی بزرگ خواتین بن گئیں ہیں بلکہ پہلے سے بہت بزرگ تھیں۔ روایت نے ان کو سراہا ہے، روایت نے ان کو پہچنوایا ہے اور روایت نے ان کا تعارف کروایا ہے نہ کہ روایت نے ان کو بلند کیا ہے جیسے اسٹیج پر آکر کسی کو القابات اور خطابات دے کر بڑھاتے ہیں، یعنی وہ شخصیت ہم سٹیج پر بیٹھ کر بناتے ہیں لیکن اسٹیج سے پہلے بنی ہوئی شخصیت کو پہچنوانا ایک الگ مطلب ہے۔ کتنے ایسے غیر تربیت یافتہ اور غیر عالم آدمیوں کو اسٹیج سیکرٹری نے عالم بنایا ہے، ورنہ وہ عالم نہیں ہیں لیکن کتنے وہ لوگ ہیں جن کا اسٹیج سیکریٹری صرف تعارف کرواتا ہے نہ کہ اسٹیج سیکرٹری کی وجہ سے وہ عالم بنے ہیں بلکہ وہ حقیقت میں بھی عالم ہیں۔ معصومین علیہم السلام نے ان خواتین کا تعارف کروایا ہے نہ کہ روایتوں کی اور حدیثوں کی وجہ سے یہ بہت بلند مقام پر پہنچی ہیں۔ یہ حدیثیں اس لئے آئی ہیں کہ ان کے ذات کے اندر قیمتی گوہر ہے اس کو تلاش کریں۔

میں نے مدت مدید تک بہت غور کیا کہ ان کی زندگیوں میں یہ کیا چیز تھی حالانکہ چاروں زندگیاں، ماحول، خصوصیات اور سرزمینیں بالکل الگ تھلگ ہیں۔ ایک چیز جو نقطۂ مشترک نظر آئی وہ یہ تھی کہ دراصل چاروں نے ملکر ایک ہی کام کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہر خاتون نے اپنے زمانے کے ولی کا دفاع کیا ہے۔ چاروں کا ایک نقطۂ مشترک ہے خواہ وہ ولی شوہر ہو، خواہ وہ ولی باپ ہو، خواہ وہ ولی بیٹا ہو، خواہ ولی کا اصلاً اس کے ساتھ کوئی رشتہ نہ ہو مثلاً حضرت آسیہ سلام اللہ علیہا کا جناب موسیٰ علیہ السلام سے کوئی رشتہ نہیں تھا لیکن موسیٰ علیہ السلام ولئ زمانہ ہیں اور آسیہ سلام اللہ علیہا کا سارا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے اپنے زمانے کے ولی کا دفاع کیا ہے۔

یوں نہیں ہے کہ آسیہ سلام اللہ علیہا نے بڑی بڑی نمازیں و تہجّد پڑھی ہیں اور بہت روئی ہیں اور ان چیزوں سے جناب آسیہ سلام اللہ علیہا کا بڑا نام بن گیا ہے۔ معصومین علیہم السلام کے لئے رو لینا اور نیت میں جنت بیٹھی ہوئی ہو کہ ہم آپ کو اس لئے رو رہے ہیں تا کہ جنت جائیں گے اس کا مطلب یہ ہوا کہ معصومین علیہم السلام صرف ہمیں جنت پہنچانے کا ذریعہ ہیں۔ جب ہم جنت پہنچ جائیں گے تب ان کی ضرورت نہیں ہے۔ ناں! یہ حقیقی روحِ دین نہیں ہے کہ ان کو فقط جنت پہنچنے کا ذریعہ ووسیلہ قرار دے یا ان کو کہیں کہ جنت تک ہمیں پہنچا دیں۔ پہلے بیان ہوا کہ حسنین علیہما السلام سید الشباب اہل الجنۃ ہیں۔ جنت کی چابیاں ان کے پاس ہیں لہٰذا اچھے لگتے ہیں۔ ہمیشہ قانون ہی یہی ہے کہ جس کے پاس چابیاں ہوں اس کی سب عزت کرتے ہیں اور اگر آج ان سے چابیاں لے لی جائیں اور دوسروں کو دے دی جائیں تو دوسروں کے پیچھے جانا شروع ہو جاتے ہیں یعنی ہمیں اس لئے اچھے لگتے ہیں چونکہ ان کے پاس جنت کی چابیاں ہیں یا ان کے ذات میں کوئی ایسی چیز ہے کہ جنت کا نظام ان کو دیا گیا ہے۔ ایسا نہیں ہے ان کی ساری عظمت اس وجہ سے ہے کہ ان کے پاس چابیاں ہیں۔ ان کی ذات میں ایسا کچھ ہے جس کی وجہ سے اتنا اہم انتظام ان کو دیا ہے۔

دین کے میدان میں خاتون اول کا درجہ

ان چار بیبیوں نے کیا کیا جو منتخب ہوئیں اور یہ فہرست کھلی ہوئی ہے۔ یوں نہ کہیں کہ یہ چار ہیں پانچویں نہیں ہو سکتی، حضرت زینب سلام اللہ علیہا پانچویں خاتون ہیں اور وہی کام کیا جو ان چار خواتین نے کیا ہے اور اپنے زمانے کی برگزیدہ خاتون بنی ہیں۔

سیاست کی اصطلاح میں خاتون اول اس دنیا میں کتنی ہیں یعنی روسائے جمہور جو صدور مملکت ہیں، جو وزرائے اعظم ہیں، جو بادشاہ ہیں ان کی بیویوں کو خاتون اول کہا جاتا ہے۔ اس وقت دنیا میں اتنی ہی خواتین اول ہیں جتنے سربراہان مملکت ہیں۔ یہ سیاست کی دنیا کی خواتین اول ہیں۔ دین کے میدان کی خاتون اول کا معیار کچھ اور ہے جس کے لیے حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا ایک نمونہ ہیں اور جو بھی اس طرز و سیرت کو اپنائے وہ اپنے زمانے کی خاتون اول ہے یا کم از کم اپنے شہر کی خاتون اول کون ہے؟ جس کی زندگی میں حضرت زہراء سلام اللہ علیہا کی سیرت کی جھلک نظر آتی ہو۔ مثال کے طور پر اسلام آباد کی خاتون اول کون ہوگی؟ وہ ہوگی جس کی زندگی کے اندر حضرت زہراء سلام اللہ علیہا کی سیرت کی جھلک نظر آتی ہو اور وہ اقدار نظر آتے ہوں۔ ان چار بیبیوں نے جو بہت بڑا کارنامہ انجام دیا وہ یہ کہ اپنی جان پر کھیل کر اپنے زمانے کے ولی کا دفاع کیا۔

ان خواتین نے گھر میں بیٹھ کے صرف نذر و نیاز اور لکڑہارے کے قصے اور معجزے پڑھ کے نہیں سنائے بلکہ حضرت زہراء سلام اللہ علیہا، حضرت زینب سلام اللہ علیہا اور حضرت آسیہ سلام اللہ علیہا کا معجزہ اپنے زمانے کے ولی کا دفاع کرنا ہے یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام شیر خوار ہیں، فرعون قتل عام کر رہا ہے تو حضرت آسیہ سلام اللہ علیہا کی سیرت اپنائیں جیسے آج نظام فرعونیت، مغربی تہذیب، یہ میڈیا، یہ فساد، یہ فحشاء اور یہ کلچر ہماری اولاد کا قتل عام کرر رہا ہے۔ آج کی آسیہ وہ ہے جو آج کے اس قتل عام میں اپنے فرزند کو بچالے، اسے اس فساد کی زد سے بچالے، اس میڈیا کی زد سے بچا کر ایک پاکیزہ فرد تربیت کر کے معاشرے کو دے دے اور یہ آج کی آسیہ سلام اللہ علیہا ہے۔ فرعون شمشیر سے قتل کرتا تھا آج کل روح قتل ہوتی ہے۔

بدترین گھر میں رہ کر اپنے زمانے کی آسیہ بنا جا سکتا ہے، بدترین ماحول میں رہ کر

بہترین خدمت کی جاسکتی ہے لیکن اس کے لئے شعور چاہیے۔ ان بیبیوں نے یہ کارنامہ انجام دیا۔ حضرت آسیہ سلام اللہ علیہا نے اپنے زمانے کے ولی کی حمایت و مدد کی اوران کو پروان چڑھایااور خدمت کی۔ یوں نہیں کہ انسان لاتعلق ہو کر بیٹھ جائے اور یہ کہے کہ ہماری تو کوئی ذمہ داری ہی نہیں ہے۔ حضرت مریم سلام اللہ علیہا نے اپنے زمانے کے ولی کی حفاظت اور دفاع کیا اگر چہ وہ ولی ان کا بیٹا نہیں تھا۔ حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا نے ایک زوجہ کے روپ میں اپنے زمانے کے ولی کی حمایت کی اور اسی طرح حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا نے یا بیٹی کے روپ میں یا زوجہ کے روپ میں یا ماں کے روپ میں اپنے زمانے کے اولیاء کی حمایت کی ودفاع کیا جبکہ حیثیتیں مختلف ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ یا ماں ہو یا بیٹی ہو یا کچھ بھی ہوحتیٰ حضرت آسیہ سلام اللہ علیہا کی طرح ولیٔ زمانہ سے کوئی رشتہ بھی نہیں ہے پھر بھی حالات کے مطابق بہت خدمت کر سکتے ہیں۔ ضروری نہیں کہ گھر میں رکھ کر تربیت کریں یا فلاں تربیت کریں تو وہ مقصود نہیں ہے۔ مقصود یہ ہے کہ آپ یہ دیکھیں کہ ولی کو کس طرح کی حمایت کی ضرورت ہے چونکہ دین کی اساس و بنیاد نظام ولایت ہے۔

اعلانِ ولایت، امت کے شعور کا امتحان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مردوں اور عورتوں کے درمیان غدیر میں ولایت کا اعلان کیا، ولایت کو متعارف کروایا لیکن لوگ ولایت کے نام پر کسی اور راستے پہ نکل گئے اور کہا کہ ولی یعنی دوست اور پھر سب دوست دوست کرنے لگے۔ آپ توجہ کریں اہل سنت کا اعتقاد یہ ہے کہ مولا اور ولی کا معنی جو غدیر میں بیان کیا اس سے مراد دوست ہے۔ وہ کہتے

ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو مولا کہا کہ

مَن کُنتُ مَولاہُ فھٰذا علیؑ مَولاہُ

یعنی میں جس کا دوست ہوں اس کے علیؑ دوست ہیں، جو میرا دوست ہے وہ علیؑ کا دوست ہے۔ انہوں نے یہ معنی کیا اور ہم نے ان پر اعتراض کیا کہ یہ غلط ہے۔ یہ تفسیر، یہ تعبیر، یہ توجیہ علمی لحاظ سے درست نہیں ہے لیکن آج عملاً شیعہ بھی مولا کا وہی معنی کرتے ہیں جو سنی کرتے ہیں۔ اردو میں دوستی رفاقت کو کہتے ہیں لیکن فارسی میں دوستی سے مراد محبت ہے مثلاً اگر کسی کو کوئی چیز پسند ہے تو فارسی زبان میں کہتے ہیں "من دوست دارم" یعنی مجھے پسند ہے۔ من فلان را دوست دارم، میں فلاں سے محبت کرتا ہوں۔ من خدا را دوست دارم، میں خدا سے محبت کرتا ہوں۔ من اھلبیتؑ را دوست دارم، مجھے اہلبیت علیہم السلام سے دوستی ہے۔ پہلے دن سے بات بدل دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہی مقصود تھا کہ ان سے دوستی کرو، ان سے محبت کرو۔ مولا کا معنی یعنی دوستی۔ آج عملاً ہماری سُوئی محبت و دوستی پہ آ کر رک گئی ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوست متعارف نہیں کروایا تھا بلکہ ولی و سرپرست متعارف کروایا تھا، حاکم متعارف کروایا تھا، پوری امت کو ایک نظام دیا۔

ولایت کے میدان میں شاعر اور شعور

اب یہاں پر عورتوں اور مردوں کے شعور کا امتحان تھا کہ جب غدیر میں ولایت کا اعلان ہوتا ہے اور ولایت کو متعارف کروایا جاتا ہے تو بڑے بڑے علماء وہاں موجود تھے، صحابی، حافظِ قرآن، مفسرِ قرآن، حافظِ حدیث، لغت شناس، زبان شناس، عربی کے

بڑے دانا شاعر وادیب سب کے سب موجود تھے۔ اتفاقاً یہاں ایک بہت عجیب واقعہ بھی رونما ہوتا ہے۔ حسان ابن ثابت ایک شاعر تھے اور اسی جگہ غدیر میں موجود تھے۔ غدیر پر سب سے پہلا شعر حسان ابن ثابت نے لکھا ہے اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود ان سے کہا کہ آپ میں شعر کہنے کی صلاحیت ہے تو یہ جو کچھ میں نے کہا ہے اس کو شعر کی زبان میں بیان کرو اور اسی وقت بہت خوبصورت شعر حسان ابن ثابت نے غدیر پر لکھا اور پڑھ کے سب کو سنایا اور داد لی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو دعا دی لیکن یہی شاعر اسے غدیر کے دو مہینے بعد کہا کہ آپ نے تو حضرتؑ کی ولایت کے بارے میں شعر بھی کہے ہیں اب آ کر گواہی دو تو گواہی نہیں دی حتیٰ بعد میں امیر المومنین علیہ السلام کی بیعت بھی نہیں کی۔ بیعت کیوں نہیں کی؟ کیونکہ ولایت کے لیے شعور کی ضرورت ہے، انسان شعر شعور سے لکھے تو بیعت کرتا ہے لیکن اگر شعر فقط داد کے لیے لکھ دے، کسی لالچ میں لکھ دے، حوروں اور جنّت کے لیے لکھ دے تو پھر جب ولی کی حمایت کا موقع آتا ہے تو یہی شاعر جو سب سے پہلے شعر لکھتا ہے یہی بہت دور ہو جاتا ہے۔ اس نے امیر المومنین علیہ السلام کی ۲۵ سال بعد بھی خلیفہ چہارم کے طور پر بھی بیعت نہیں کی اور امیر المومنین علیہ السلام کو چھوڑ کر مدینے سے چلا گیا۔ اسے ولایت سمجھ نہیں آئی۔ یہ عبرت ہے۔

یہاں آ کر پوری امت امتحان میں پڑ جاتی ہے۔ بڑے بڑے علماء وفضلاء کا عمل حوالہ بن جاتا ہے۔ آج ولایت فقیہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ فلاں آقا یوں کہتے ہیں! آج اگر اس آقا سے ولایت فقیہ سیکھنی ہے تو غدیر میں ان سے زیادہ بڑے بڑے آقا تھے تو ولایت علیؑ کے متعلق ان کا انکار بھی حوالہ بن جائے گا۔ ان میں سے کسی کو سمجھ نہیں آئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا فرما رہے ہیں؟ بعد میں جب امتحان ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت ہوئی اور امیر المومنین علیہ السلام کی ولایت کا جب وقت آیا تو ان آقاؤں میں سے چار آقا

تھے جو ولایت کے حامی تھے اور چاروں خاموش تھے۔ ولایت کے چار خاموش حامی تھے اور ایک بی بی سلام اللہ علیہا تھی جو خاموش نہیں تھیں بلکہ ولایت کی حامی، ناطق اور سراپا احتجاج تھیں، جس نے جا کر ان بڑی بڑی شخصیات مثلاً ان میں سے بعض ایسے بڑے لوگ تھے جن کا آج بھی علمِ تفسیر میں بڑا نام ہے اور تفسیر کے اندر امام و پیشوائی کا درجہ رکھتے ہیں۔ اس آقا صاحب کا دروازہ حضرت زہراء سلام اللہ علیہا نے جا کر کھٹکھٹایا اور کہا کہ آپ تو غدیر میں موجود تھے، آپ تو قرآن جانتے ہو اور آپ کو یہ آیت بھی حفظ ہے:

یٰاَیُّھَا الرَّسُولُ بَلِّغ مَا اُنزِلَ اِلَیکَ مِن رَّبِّکَ ......[1]

کہا کہ آپ تو اس آیت کی تفسیر بھی بیان کرتے ہو۔ آج اس آیت کی گواہی دے دو کہ یہ آیت، غدیر میں اس اعلان کے لیے نازل ہوئی تھی۔ آقا صاحب نے وہاں پر دروازہ بند کر دیا اور کہا کہ میرا حافظہ کم ہے میں بھول گیا ہوں کہ وہاں پر کیا ہوا تھا۔ دو مہینے پہلے کی بات ۱۸ ذی الحجہ ۱۰ ہجری کو یہ واقعہ پیش آیا اور ۲۸ صفر ۱۱ ہجری کو حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا نے ان سے جا کر کہا کہ آؤ گواہی دو۔ دو مہینے دس دن بعد آقا صاحب کا حافظہ کمزور ہو گیا تو آج ہمیں آقا صاحب سے یہ توقع ہے کہ ولایتِ فقیہ ان کو سمجھ میں آ جائے جن کو دو مہینے بعد ولایت علیؑ سمجھ نہیں آئی۔ کہتے ہیں کہ ائمہ علیہم السلام سے صرف محبت کرو، محبت تک تو آ گئے۔ ائمہ معصومین علیہم السلام سے محبت ہے۔ اہلسنت یہی کہتے ہیں کہ غدیر میں ہم سے کہا گیا کہ ان سے محبت کرو۔ پس جو معنی سنیوں نے کیا تھا، عملاً وہ شیعہ نے اپنا لیا۔ دوستی اور محبت تک آ گئے لیکن نظام ولایت نہیں سمجھا۔ یہ ہمارا شعور بیدار نہیں ہوا کہ وہاں پر ایک

---

[1] ......(سورۃ المائدہ: ۶۷) (آیت تبلیغ: یہ آیت ۱۸ ذی الحجہ کو حجۃ الوداع سے واپسی پر غدیر خم کے مقام پر نازل ہوئی)

نظام کی طرف رہنمائی کی گئی ہے۔اس نظام کو ہم نے سمجھنا ہے اور دوستی و محبت کافی نہیں ہے۔

ولایت ایک نظام ہے، محبت و مودّت کا الگ سے حکم ہے:

قُلْ لَّآ اَسْاَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ...... ۱؎

ترجمہ: آپ (ص) کہیے کہ میں تم سے اس (تبلیغ و رسالت) پر کوئی معاوضہ نہیں مانگتا سوائے اپنے قرابتداروں کی محبت کے......

حبّ امیر المومنین علیہ السلام یا حبّ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا، حبّ خدا ہے۔ ان سے حبّ کرو لیکن فلسفہ محبت کیا ہے؟ فلسفہ محبت یہ ہے کہ ان سے محبت کرو تا کہ تم اس گوہرِ ولایت تک پہنچو۔ وہ گوہر جو خدا نے ان اولیاء کو عطا کیا ہے۔

فاطمیؑ بصیرت

یہاں پورے اسلام میں ایک بی بی سلام اللہ علیہا کا شعور تمام عالم پر برتری پیدا کر لیتا ہے۔ حضرت زہراء سلام اللہ علیہا اسی خاموش مدینہ میں موجود ہیں جہاں پر اکثریت لاتعلق بیٹھی ہوئی ہے۔ بعض خوف کی وجہ سے، بعض مصلحت اندیشی کی بنا پر اور بعض کسی اور وجہ سے خاموش ہیں۔ دو مہینے پہلے کی بات آقا صاحبان کو یاد نہیں ہے اور چار حامی ہیں اور وہ بھی خاموش اور بولنے کے لیے کوئی بھی تیار نہیں ہے۔ چار مرد خاموش اور ایک بی بی جو تنہا احتجاج کر رہی ہیں۔ کبھی مدینے میں جا کر مردوں کے دروازے کھٹکھٹاتی کہ نکلو ولایت کی حمایت کا زمانہ آ گیا ہے، دفاع کا وقت آیا ہے لیکن کوئی باہر نہیں نکلتا۔ بڑی بڑی علمی

۱؎...... (سورۃ الشوریٰ: ۲۳)

شخصیتوں کو کہا کہ باہر نکلو۔ اسلام سے تم نے عزت پائی ہے، اسلام سے تم نے شہرت پائی ہے۔ آج اس کا کم از کم حق ادا کرو مگر نہیں آئے۔ حتیٰ ایک بڑی شخصیت کو حضرتؑ نے کہا کہ آپ تو دو مہینے پہلے غدیر میں موجود تھے لہٰذا آپ آ کر دو مہینے پہلے کی بات کی گواہی دو تو کہا میرا حافظہ کمزور ہے۔ اس کے لیے وہیں پر بی بی سلام اللہ علیہا نے دعا کی کہ اسکا حافظہ ضعیف ہو جائے تو اسی وقت اس کا حافظہ ختم ہو گیا۔ جو چیزیں یاد بھی تھیں وہ بھی بھول گیا کیونکہ اس نے بہانہ کیا تھا کہ مجھے یاد نہیں ہے کہ اس وقت کیا ہوا تھا، مجھے بات سمجھ میں نہیں آئی۔ خدا نے وہی کام کیا اور اس کے بعد وہ سب کچھ بھول گیا۔

حضرت زہراء سلام اللہ علیہا نے کس طرح سے دفاع کیا؟ حضرت زہراء سلام اللہ علیہا نے اقدام کیا اور اعلیٰ ترین شعور کا ثبوت دیا۔ ان حدیثوں نے حضرت زہراء سلام اللہ علیہا کو اوپر نہیں پہنچایا بلکہ وہ کرامت و شرافت حضرت زہراء سلام اللہ علیہا تھی جن کی وجہ سے حدیثیں بیان کی گئیں تھی۔ حدیثیں حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کا تعارف کروا رہی ہیں نہ کہ چند روایات کی وجہ سے حضرت زہراء سلام اللہ علیہا کا مقام اتنا بلند ہو گیا۔ یہ روایات تعارف اور پہچنوانے کے لیے آئی ہیں۔ حضرت زہراء سلام اللہ علیہا کا شعور دیکھیں کہ اس شعور کے سامنے مرد کچھ نہیں کر سکے۔ بہت معمولی سے واقعے کو تاریخ کی ایک بہت بڑی دستاویز بنا دیا۔ وہ واقعہ جس کو اگر حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا نظر انداز کر دیتیں تو شاید اس کا تاریخ میں نام بھی نہ ہوتا۔

من گھڑت قصوں کے بجائے خطبۂ فاطمیہؑ پڑھیں!

اس ماجرا کو سمجھنے کے لیے بھی ایک شعور کی ضرورت ہے چونکہ ایک باشعور خاتون

کے اقدامات کو سمجھنے کے لیے شعور چاہیے۔ اگر انسان بے شعور ہو جائے تو نام بی بی سلام اللہ علیہا کا ہوتا ہے اور قصہ لکڑ ہارے کا ہوتا ہے۔ بارہا عرض کیا ہے خواتین کتنا وقت ان چیزوں پر صرف کرتی ہیں اور ایسے نامعقول مسائل اس میں بیان کرنا کہ اگر یہ نہ پڑھا تو گھر کو آگ لگ جائے گی، یہ نہ پڑھا تو فلاں ہو جائے گا۔ اہلبیت علیہم السلام کا یہ تعارف کرایا ہے کہ اگر ان کی کتاب نہ پڑھی جائے تو گھر کو آگ لگ جائے گی حالانکہ اہلبیت علیہم السلام لوگوں کے گھر جلانے کے لیے نہیں بلکہ لوگوں نے اہلبیت علیہم السلام کے گھر جلائے ہیں۔ لوگوں نے اس بی بی سلام اللہ علیہا کا گھر جلایا ہے۔ یہ بی بی سلام اللہ علیہا کسی کا گھر نہیں جلاتیں۔ یہ جلتے ہوئے آگ کو بجھانے کے لیے ہیں۔ بقول شاعر کے:

لِی خَمْسَةٌ اُطْفِی بِهَا حَرَّ الْوَبَاءِ الْحَاطِمَةَ
الْمُصْطَفٰی وَالْمُرْتَضٰی وَابْنَاهُمَا وَالْفَاطِمَةَ

میرے لیے پانچ ہستیاں (وسیلہ) ہیں جن کے ذریعے میں تباہ کرنے والی آگ کو بجھاتا ہوں، ایک مصطفیٰ ؐ ہیں، ایک مرتضیٰ ؑ ہیں دو ان کے بیٹے ہیں اور ایک فاطمہ ؑ ہیں۔

یعنی یہ بی بی سلام اللہ علیہا تو آگ ٹھنڈی کرتی ہے۔ ان کے ذکر سے جہنم کی آگ ٹھنڈی ہوتی ہے۔ یہ بی بی سلام اللہ علیہا آگ لگانے کے لیے نہیں بلکہ آگ بجھانے کے لیے آئی ہے۔ ان چیزوں پر وقت صرف کرنے کے بجائے آئیں اور ان مجالس میں خود بی بی سلام اللہ علیہا کا خطبہ پڑھا کریں۔ آپ نے کیا آج تک حضرت زہراء سلام اللہ علیہا کا خطبہ پڑھا ہے؟ لکڑ ہارے کے قصے جس کا نہ کوئی مدرک ہے، نہ سر اور نہ پاؤں! اس کے بجائے حضرت کا خطبہ پڑھا کریں اور پڑھ کر سمجھیں کہ بی بی سلام اللہ علیہا اس میں کیا فرما رہی ہیں۔ یہ بی بی سلام اللہ علیہا کا اپنا کلام ہے۔

جائیداد کے مقدمہ کو احتجاج میں بدل دیا!

حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کا شعور دیکھیں اور پھر طے کریں کہ ہم نے اپنے آپ کو کیسے بدلنا ہے۔ اگر اپنے آپ کو بدلنے کی نیت نہ ہوئی تو اس وقت ہم دین، سیرت، قرآن اور حضرت زہراء سلام اللہ علیہا کو بدلنے کی کوشش کریں گے اور یہ ظلم ہوگا۔ بی بی سلام اللہ علیہا نے کتنے شعور سے کام لیا؟ بی بیؑ نے ان کے فیصلے کو اٹھایا۔ ظاہر ہے انہوں نے ولایت کے خلاف اقدام کیا اور ولایت کو چھوڑنے کی غلطی کی پھر اس غلطی کو چھپانے کے لیے غلطی پہ غلطی کرتے گئے۔ انسان جب ایک غلطی کرتا ہے تو اس کو چھپانے لیے ہزار غلطیاں کرتا ہے اور ایک عام محاورہ ہے جھوٹ کے بارے میں کہتے ہیں کہ ایک جھوٹ کو چھپانے کے لیے سو جھوٹ بولنا پڑتے ہیں۔ ایسے ہی ایک غلط قدم کو چھپانے کے لیے سو اور غلط قدم اٹھانے پڑتے ہیں۔ انہوں نے ایک غلطی کی اور اس غلطی کے اوپر غلطیاں ہی کرتے گئے اور جہاں تک جائیں گے تاریخ جائے گی اور ان کی غلطیاں آشکارا ہوتی جائیں گی۔

غلطی یہ تھی کہ حقِ ولایت امیرالمومنین علیہ السلام کے لیے تھا اور اس کے تحت حکومت امیرالمومنین علیہ السلام کا حق تھا، وہ ان سے لے لیا۔ ظاہر ہے اب اس کے سارے آثار بھی انہیں مٹانے تھے۔ ایک کام انہوں نے یہ کیا کہ فدک مدینے سے باہر کھجوروں کا ایک باغ تھا جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیٹیؑ کو دیا، وہ انہوں نے حضرت زہراء سلام اللہ علیہا سے لے لیا اور فدک کا ماجرا سب نے سنا ہوا ہے اور سب اس سے آشنا ہیں، اگر ماجرائے فدک کو شعور کے ساتھ دیکھیں تو فدک کا معنی کیا بنتا ہے اور اگر شعور کے بغیر دیکھیں تو فدک کیا چیز بن جاتی ہے۔ تاریخ میں یہ پہلا باغ نہیں تھا کہ جو چھینا گیا بلکہ انبیاء اور ائمہ علیہم السلام کی تاریخ بھری ہوئی

ہے جس میں ایسے واقعات ہوتے رہے ہیں اور یہ بھی ایک واقعہ تھا جس میں انہوں نے کھجوروں کا ایک باغ واپس لے لیا اور یہ غلطی کی یا اہل سنت کے بقول اجتہادی خطا کی ہے۔

حضرت زہراء سلام اللہ علیہا نے اس ماجرا کو بہت بڑے احتجاج میں بدل دیا اور تاریخ میں اس کو زندہ کر دیا۔ ان کی ایک غلطی سے انہیں قیامت تک کے لیے جوابدہ بنا دیا۔ یہ ایسا کام تھا جس سے چشم پوشی بھی کی جا سکتی تھی چونکہ فدک ایک کھجوروں کا باغ ہے جس کو مالِ دنیا کہہ سکتے ہیں۔ یوں نہیں کہ فدک کی ایک بہت بڑی درآمد تھی جس سے اہلبیت علیہم السلام کی گذر اوقات ہوتی تھی اور اب فدک کے بعد اہلبیت علیہم السلام کے ہاں فقروفاقہ شروع ہو گیا تھا بلکہ جب فدک تھا اور اس کی درآمد آتی تھی تو بھی اہلبیت علیہم السلام کے گھر میں وہی ماحول تھا جو فدک چھین لینے کے بعد تھا۔ یوں نہیں تھا کہ فدک کی درآمد سے وہاں حلوے پکتے تھے، دیگیں پکتی تھیں اور بڑی بڑی دعوتیں ہوتی تھیں بلکہ جب فدک تھا اور گھر میں مہمان آجاتا تھا اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام گھر میں مہمان لاتے تھے اور حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا سے پوچھتے کہ مہمان کے لیے کچھ ہے؟ تو حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا فرماتیں کہ آج تو اپنے لیے کچھ نہیں ہے تو مہمان کے لیے کیا ہوگا۔ ایسے تو نہیں تھا کہ خاندانِ اہلبیت علیہم السلام کی بڑی جاگیر اور پراپرٹی تھی۔

ہم جاگیردارانہ زمانے میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ جاگیردارانہ ذہن یہ ہے کہ اپنی جاگیر پہ کسی کو قدم رکھنے نہیں دینا کہتے بھی ہیں کہ فدک جاگیرِ فاطمہ ؑ ہے۔ یہ جملہ آج استعمال بھی کیا جاتا ہے چونکہ ہم آج جاگیرزدہ معاشرے میں ہیں۔ اس کو جاگیرداری کا رنگ کیوں دیتے ہیں؟ حضرت زہراء سلام اللہ علیہا برگزیدہ ترین خاتون، سیدۃ نساء العالمین، ایک اسوہ، مقدس ہستی کو آپ نے کیا بنا دیا؟ ایک جاگیردار خاتون؟!! ظاہر ہے اس اقدام کو جو حضرت زہراء سلام اللہ علیہا نے انجام دیا اس کو سمجھنے کے لیے شعور چاہیے۔ اس سے چشم پوشی

بھی کی جا سکتی تھی کہ ٹھیک ہے اسے لے لیا تو لے لیا اس سے کیا فرق پڑتا ہے چونکہ ایک عرصہ پہلے بھی تو ان کے پاس فدک نہیں تھا اور بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیا ہے۔ یوں نہیں تھا کہ جب ان کے پاس فدک نہیں تھا تو بڑی بے تابی تھی لہٰذا جب فدک آ گیا تو بھی اس کی درآمد فقراء، یتیموں، مسکینوں اور بیواؤں میں تقسیم ہوتی تھی۔ یہ تو وہ خاندان ہے جو اپنا سامانِ افطار اٹھا کر یتیموں، غریبوں اور مسکینوں میں دے دیتا ہے حالانکہ خود روزے سے ہیں۔

ازخودگذشتگی سیرت فاطمیؑ

آج جب کہا جاتا ہے کہ دوسروں کی مدد کریں، دوسری امتوں کے لیے آواز اٹھائیں، عراقی مظلوموں کی مدد کرو، فلسطینی مظلوموں کی مدد کرو، کشمیریوں کی مدد کرو تو جواب یہ دیتے ہیں کہ سب سے بڑے مظلوم تو ہم خود ہیں اور دوسروں سے زیادہ مشکلات تو ہماری اپنی ہیں؟! بڑی بڑی شخصیات یہ جواب دیتی ہیں کہ کیا ہماری اپنی مشکلات کم ہیں؟ ان لوگوں کا مکتبِ اہلبیت علیہم السلام سے کوئی تعلق نہیں ہے جو یہ جواب دیتے ہیں چونکہ اہلبیت علیہم السلام وہ ہیں جنہوں نے تین دن روزہ رکھا ہر روز افطار کے وقت ایک شخص دروازے پہ آ کر دستک دیتا، اہلبیت علیہم السلام نے اسے اپنی افطار دے دی۔ یہ جواب نہیں دیا کہ اے مسکین! اے یتیم! اے فقیر! ہماری اپنی مشکلات ہیں، ہم خود بھوکے ہیں، ہم دن بھر روزے سے تھے، ہمارے پاس کھانے کو فقط یہی ہے اور یہ تجھے دیں گے تو ہم خود کیا کھائیں گے؟ اہلبیت علیہم السلام کا مکتب یہ ہے کہ اگر دوسرا آپ کے سامنے پریشان ہے اور گرفتار ہے تو اپنی مشکلات کو بھول

کر پہلے اس کی مشکلات کو حل کرو۔ یہ اقدار، سیرت اور درس ہے۔

جو کی روٹیاں کھانا سیرت نہیں ہے بلکہ جو بھی گھر میں ہے مثلاً پراٹھا رکھا ہوا ہے، تازہ روٹی رکھی ہوئی ہے، ڈبل روٹی رکھی ہوئی ہے، جو بھی ہے اور آپ کی ضرورت ہے تو یہ ضرورت بھی اٹھا کر دوسرے ضرورت مندوں کو دے دو اور ان کو اپنے اوپر ترجیح دو۔ یہ ویلیو ہے، یہ قدر ہے۔ سیرت سے ہمیں زندگی کا جو انداز سیکھنا ہے وہ یہ ہے کہ ہمیشہ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دو، دوسروں کی ضرورتوں کو اپنے اوپر ترجیح دو۔ آپ کا بچہ ہے دوسرے کا بھی بچہ ہے اور آپ کے بچے کی ضرورتیں پوری ہیں دوسرے کی فیس بھی نہیں ہے، وہ سکول نہیں جا سکتا، وہ سکول کی تعلیم حاصل نہیں کر سکتا۔ اہلبیت علیہم السلام کا مکتب اور طرزِ زندگی جناب سیدہ سلام اللہ علیہا یہاں معلوم ہوتی ہے۔ ہم لکڑ ہارے کے معجزے پڑھ پڑھ کر خودخواہ بن گئے ہیں ورنہ اگر حضرت زہراء سلام اللہ علیہا کا واقعہ پڑھا ہوتا، فدک کا واقعہ پڑھا ہوتا، خطبہ حضرت زہراء سلام اللہ علیہا پڑھا ہوتا تو یہ ممکن بھی نہ ہوتا کہ ہمارے پڑوس والے کے بچے کے پاس فیس بھی نہ ہو اور ہمارا بچہ تعیش میں ہو۔

قیامِ فاطمیؑ کے مراحل

پہلا مرحلہ: احتجاج

حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا نے معمولی سے واقعے کو اپنے شعور کی مدد سے کیا رنگ دے دیا؟ چشم پوشی کی جا سکتی تھی اور کہہ سکتی تھیں کہ چھین لیا تو چھین لیا، اب ایک خاتون کا کیا فریضہ ہے؟ خدانخواستہ آپ کے گھر میں کوئی آ جائے اور آپ کا زیور اٹھا کر لے جائے تو خواتین کیا کرتی ہیں؟ پہلے تو اپنی جان بچاتی ہیں اور سامان لے

جانے والوں کا پیچھا نہیں کرتیں۔ مرد پیچھا نہیں کرتے چہ جائے کہ ایک خاتون کرے! یہ لوگ آئے اور فدک اٹھا کر لے گئے۔

حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کہہ سکتی تھیں یہ سوچ سکتی تھیں مال دنیا ہے لے لیا تو لے لیا اب کیا اس کے پیچھے ہم شور مچائیں؟ مسئلہ ایک جاگیر کا نہیں تھا مسئلہ ایک پراپرٹی کا نہیں تھا۔ حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا نے اس مسئلے کو اٹھایا اور اس کو ایک تاریخی احتجاج میں تبدیل کر دیا اور اس کو تاریخ کا ایک اہم ترین واقعہ بنا دیا۔ یہ عالی ترین شعور تھا جو خداوند عالم نے اس بی بی ؑ کو عطا کیا تھا۔ اس وجہ سے ائمہ ہدیٰ ؑ بھی مدّاح اور ثنا خوانِ حضرت فاطمہ ؑ ہیں۔ ایک غلطی ان سے ہوگئی اور اسے پکڑ لیا۔ بی بی کو پتہ تھا کہ یہ واپس نہیں کرینگے اس کے باوجود بی بی ؑ نے اس کو، آج کی زبان میں کہیں تو ایک ایشو بنا دیا۔ خود جا کر باقاعدہ شکایت کی اور احتجاج کیا۔

دوسرا مرحلہ: مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں خطبہ

اس موضوع پر خطبہ دیا، اس مسئلے کو اٹھایا اور چھوڑا نہیں حتیٰ کہ جب انہوں نے انکار کر دیا کہ ہم نہیں دینگے تو بھی بی بی ؑ خاموش نہیں بیٹھیں۔ پھر احتجاج کا اگلا مرحلہ شروع کیا۔ دوسرا مرحلہ یہ تھا کہ چونکہ اس اقدام پر دلیل بھی پیش کی ہے لہٰذا پہلے تو ان کا علمی پول کھولا اور خطبہ دیا۔ مجالس میں من گھڑت قصوں کے بجائے خطبۂ حضرت زہراء سلام اللہ علیہا پڑھیں تو آپ کو اس سے بہت ساری چیزیں حاصل ہونگی۔ اس خطبے میں حضرت ؑ کی علمیت کا اندازہ ہوگا یعنی وہ خطبہ حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کا بالکل اسی طرح ہے جیسے نہج البلاغہ میں امیر المومنین علیہ السلام کے خطبے ہیں بلکہ بعض ہمارے بزرگ اساتید کے بقول اس خطبۂ حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کے بعض مسائل ایسے ہیں کہ نہج البلاغہ میں بھی ایسے نہیں ہیں۔ اس قدر یہ پُرمحتویٰ اور پُرمغز خطبہ ہے۔

بی بی سلام اللہ علیہا نے وہاں جا کر ہر چیز کی تشریح کی اور لوگوں کے سامنے یہ ثابت کیا کہ دیکھو! تم دین کی ابجد (الف، ب) بھی نہیں جانتے۔ ایک چھوٹا سا مسئلہ اٹھا کر ان کی فقاہت اور دینی معلومات کو وہاں پر برملا کر دیا کہ یہ کچھ نہیں جانتے۔ ان کو وراثت کا سادہ سا قانون بھی معلوم نہیں، جن کو عدالت کے قوانین کا ایک سادہ قانون بھی معلوم نہیں کہ گواہ کس کو پیش کرنا ہوتا ہے اور قسم کس کو کھانی ہوتی ہے؟ یہ بی بی کا شعور تھا یعنی ان کو یہ بھی نہیں پتہ تھا کہ عدالت میں کیس کیسے چلتا ہے؟ کس سے گواہ مانگے جائیں اور کس سے قسم مانگی جائے؟ جن کو یہ بھی پتہ نہیں ہے، ان کو آپ پیشوا مانتے ہیں!! بی بی ؑ اس زمانے کا شعور جنجھوڑ رہی تھیں یعنی پہلے ان کے سامنے دین کی علمی وراثت بیان کی پھر اس کے بعد حضرت نے اسی خطبے میں یہ آیۂ قرآن پڑھی کہ

اَفَمَنْ یَّـهْدِیۤ اِلَی الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ یُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا یَـهِدِّیۤ اِلَّاۤ اَنْ یُّـهْدٰی فَمَا لَكُمْ كَیْفَ تَحْكُمُوْنَ...... [1]

توکیا جو کوئی حق کی طرف ہدایت کرے وہ زیادہ حق دار ہے کہ اس کی فرمانبرداری کی جائے یا وہ جو خود ہی راستہ نہیں پاتا مگر یہ کہ اسے راستہ دکھایا جائے۔

یعنی تم کن لوگوں کے پیچھے جا رہے ہو؟ وہ لوگ جو ہدایت یافتہ ہیں اور اللہ کی طرف ہدایت کرتے ہیں وہ ہدایت و اتباع کے سزاوار ہیں اور ان کو حاکم ہونا چاہیے یا ایسے لوگوں کو ہونا چاہیے جن کو جب تک ہدایت کی نہ جائے تب تک ان ہدایت نہیں ہوتی؟ حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا نے لوگوں کو جنجھوڑا حالانکہ معلوم تھا کہ انہیں حق نہیں دینگے اور آخر کار انہوں

ا...... (سورۃ یونس: ۳۵)

نے نہیں دیا۔ لیکن پھر بھی ساکت اور خاموش نہیں بیٹھیں۔

تیسرا مرحلہ: بائیکاٹ

تیسرے مرحلے میں جا کر حضرتؑ نے کہا میں کہ میں ان سے غضبناک ہوں۔ میں ان سے ناراض ہوں۔ یہ میرے گھر اور میری عیادت کو نہ آئیں۔ یہ تیسرا مرحلہ بھی احتجاج تھا۔
یہ کوئی نفسانی روٹھنا نہیں تھا معمولی سے گھریلو مسائل پر جس طرح عموماً خواتین ہوتی ہیں کہ چھوٹی چھوٹی باتوں پہ روٹھ جاتیں ہیں۔ ناں! حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کا یہ ایک سیاسی اقدام تھا، ایک بائیکاٹ تھا، ایک نظام جو ولایت کے مقابلے میں بن رہا تھا اس نظام کے اوپر احتجاج تھا اور اس کا بائیکاٹ تھا۔ لوگوں کو توجہ دلانے کے لئے کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے غلط ہو رہا ہے۔ لوگ ولایت سے دور ہو رہے ہیں۔ فرمایا کہ میں ان لوگوں سے راضی نہیں ہوں جنہوں نے یہ اقدام کیا ہے۔ یہ میرے گھر میری عیادت کو نہیں آئیں، میرے قریب نہیں آئیں۔ انہوں نے بہت جتن کیے اور سفارشیں بھیجیں، لوگوں کو بھیجا، حضرت سلمان فارسیؓ کو سفارشی بنا کر بھیجا لیکن بی بی سلام اللہ علیہا راضی نہیں ہوئیں۔

ہم نے تخیّل کے ذریعہ سے حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کا کو کیا بنا دیا ہے؟ ہم نے حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کا کو ایک ایسی خاتون ثابت کیا ہے جو رومال و شیشی لیے ہوئے گھوم رہی ہیں کہ کوئی میرے بیٹے کے لئے روتا ہے یا نہیں روتا؟ لوگوں سے آنسو مانگتی ہیں۔ حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کی حقیقی شخصیت کیا تھی اور ہم نے تخیّل کے ذریعے کیا بنا دی؟ حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کی شخصیت یہ نہیں ہے کہ نعوذ باللہ میرے اور آپ کے آنسوں پونچھتی ہیں۔ حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا نے اعلیٰ شعور کا قدم اٹھایا ہے اور شعور کا ثبوت دیا جو اس زمانے

میں مرد بھی نہیں کر سکے۔ قیامت تک کے لیے حقیقت روشن کر دی۔ واقعاً اگر کسی نے احتجاج سیکھنا ہے تو آ کے حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا سے سیکھے۔ اگر کسی نے حکومتوں کے خلاف اقدام سیکھنا ہے تو حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا سے سیکھے۔ اگر موجودہ باطل نظام کے خلاف انقلاب کی بنیاد ڈالنی ہے تو سیدہ سلام اللہ علیہا سے سیکھے۔ حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا ایک راستہ مقرر کر رہی ہیں اور فرمایا کہ میرے پاس کوئی نہیں آئے۔ میں حاکم وقت سے ناراض ہوں۔ یہ نہیں کہا کہ اپنی نند، اپنی بہو یا اپنے کسی قریبی سے ناراض ہوں اور میں روٹھی ہوئی ہوں۔ یہ حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا نہیں تھیں۔

زوجۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کو پسند نہیں کرتی تھیں۔ حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کو دیکھتے ہی ان کا منہ بن جاتا تھا، چہرے پہ ناگواری کے آثار ہوتے تھے، ان کو بہت ناگوار گزرتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بیٹھے ہوتے تو یہ زوجہ بھی بیٹھی ہوتیں اور جب حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا آجاتی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کے لیے کھڑے ہوجاتے تو اس ام المومنین کو بہت ناگوار گزرتا اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سمجھاتیں تھیں کہ آیا بیٹیوں کے لئے بھی کوئی کھڑا ہوتا ہے؟ لیکن کبھی بھی حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کی زبان پر ان کے لئے شکوہ نہیں آیا۔ کبھی بھی ان سے نہیں روٹھیں۔ ایسا نہیں سوچا کہ یہ میری سوتیلی ماں ہے جیسے سوتیلی ماں اور بیٹی کا رشتہ ہوتا ہے۔ وہ واقعاً سوتیلا پن دکھا رہیں تھیں لیکن حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کوئی معمولی خاتون نہیں تھیں کہ جو ایسے چھوٹے چھوٹے گھریلو مسائل میں آکر کہیں کہ میں آتی ہوں تو ان کا منہ بن جاتا ہے لہٰذا اب ان کے گھر نہیں آؤں گی! حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا میں اور اس شخصیت میں بہت فرق تھا لیکن حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کبھی کوئی بات ان کے خلاف زبان پہ نہیں لائیں۔ کبھی اپنے بابا سے شکایت نہیں کی کہ یہ سوتیلی

ماں میرے ساتھ کیا کرتی ہے!

مقامِ حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا ان چیزوں سے اجل تھا۔ زوجۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روّیے کا شکوہ نہیں کیا لیکن جن لوگوں نے ولایت علیؑ کو جھٹلایا ان کے خلاف تاریخی احتجاج کیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کا ہاتھ چومتے، بازو چومتے تھے تو زوجہ رسولؐ روکتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سمجھاتی تھیں کہ باپ بیٹیوں کے بازوں نہیں چومتے ہیں! وہ کلچرل سوچ میں آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سمجھاتی تھیں کہ ایسا نہیں ہونا چاہئے۔ اب انہیں کیا معلوم یہ کون شخصیت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ سب کیوں کر رہے ہیں؟ ان کا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جتنا شعور نہیں تھا۔

فدک لیکر عیادت پر اصرار کیوں تھا؟

اس مرحلے میں جناب سیدہ سلام اللہ علیہا نے ان کو بخوبی متوجہ کیا اور انہیں معلوم تھا کہ ہمارے خلاف کیا ہو رہا ہے۔ ان کا یہ اصرار کہ ہم ہر صورت میں عیادت کے لئے آئیں گے۔ یہ صرف ایک معمولی رفت و آمد نہیں تھی کہ یہ دختر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور ہم دختر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عیادت کو جائیں تاکہ ثواب حاصل ہو! ناں! بلکہ ان کا مقصد یہ تھا کہ ہم کسی نہ کسی طرح جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کا احتجاج اور بائیکاٹ توڑیں چونکہ ہم رسوا ہو رہے ہیں۔ وہ یہ احتجاج ختم کروانا چاہتے تھے اور عیادت کے لیے آ کر یہ تاثر دینا چاہتے تھے کہ معمولی مسائل ہیں اور کچھ بھی نہیں ہوا، ہمیں جناب سیدہ سلام اللہ علیہا نے قبول کیا، ہمارا آنا قبول کیا، بس حالات سب مناسب ہیں جیسے آج کل سیاسی حکمران اپوزیشن سے ایک میٹنگ کر

کے تاثر دیتے ہیں کہ ہمارے اور اپوزیشن کے درمیان کوئی مشکل نہیں ہے چونکہ ہم نے میٹنگ کر لی، جلسہ کرلیا، باتیں ساری طے ہوگئیں۔ یہ حکمران ہیں اور حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا تنہا خاتون اپوزیشن میں ہیں اور اتنی زوردار اور اتنی قوی اور مضبوط اپوزیشن ایک خاتون نے تشکیل دی کہ پورا ایوان حکومت لرز رہا تھا۔ ان کے پسینے چھوٹ رہے تھے کہ کس طرح ہم اس اپوزیشن کو توڑیں۔

یہاں آ کر دوسرا مرحلہ ختم ہوتا ہے کیونکہ پہلا مرحلہ احتجاج کا تھا پر اپرٹی جس کا بہانہ بن گیا لیکن سیدہ سلام اللہ علیہا نے ان کا حربہ شعور کے ذریعے تبدیل کیا یعنی ایک اقتصادی مسئلے کو سیاسی مسئلہ بنا دیا۔ ایک باغ کو تاریخ کا اہم ترین واقعہ قرار دیا اور ایک نظام کے خلاف اس کو گواہ قرار دیا اور ان کے استحقاق پر سوال اٹھا دیا۔ اس کے لئے بہت اعلیٰ شعور کی ضرورت ہے کہ ایک باغ سے اتنا فائدہ اٹھائیں؟! ہم باغ میں جاتے ہیں تو کھجوریں کھا کر آتے ہیں اور ختمِ قرآن کے لئے تبّرک کے طور پر گھٹلیاں لیکر آتے ہیں۔ ہم کھجوروں سے یہی فائدہ اٹھاتے ہیں۔ آج بھی مدینہ اور کربلا جا کر کھجوروں خرید کر لے آتے ہیں۔ ہماری ساری نگاہیں کھجوریں پر لگی ہوئی ہیں۔ حضرت زہراء سلام اللہ علیہا نے انہی کھجوروں سے سیاست کا ایک نظام بنا دیا۔ ایک خاتون کا کتنا شعور اور کتنی عظمت تھی کہ ایک معمولی سے باغ کو تاریخ کے لیے دستاویز قرار دیا۔

تیسرا مرحلہ یہاں سے شروع ہوا کہ جب دیکھا کہ وقتِ شہادت قریب آ رہا ہے تب بھی احتجاج نہیں چھوڑا۔ یوں نہیں کہ اپنے درد میں مبتلا ہیں اور اپنی حالت پہ قابو نہیں ہے۔ اس حال بھی شعور اتنا عالی سطح کا ہے کہ اپنے اس نظام کو زیر سوال قرار دیا اور نظامِ ولایت کی طرف لوگوں کی توجہ موڑی اور امیر المومنین علیہ السلام کو وصیت کی کہ جب میں اس دنیا

سے چلی جاؤں اور رخصت ہو جاؤں تو کسی کو بھی نہیں آنے دینا۔اب دیکھیں کہ چند افراد سے ناراضگی تھی لیکن کہا کہ کسی کو بھی میرے جنازے میں، میری تشییع میں، میری سوگواری میں نہیں آنے دینا۔

ولایت سے دور ہو کر آنسو بہانے کا کیا فائدہ؟!

ہم نے جو تخیّلی تصویر بنائی ہوئی ہے کہ حضرت زہراء سلام اللہ علیہا ایسی بی بی ہیں جو فقط یہ دیکھ رہی ہیں کہ میرے بیٹے کے لیے کون رو رہا ہے اور میں جا کر کس کے آنسو پونچھ لوں! ساری حسرت یہ ہے کہ میرے بیٹے کے لئے روتا کوئی نہیں ہے یا کون روتا ہے؟ ناں! حضرت زہراء سلام اللہ علیہا کو ہر عزاداری پسند نہیں ہے بلکہ اپنی عزاداری میں بعض افراد کا آنا پسند ہی نہیں کیا۔اگر سیدہ سلام اللہ علیہا کو آنسو اتنے پسند ہوتے تو علیؑ سے کہتیں کہ جوں ہی میری رحلت ہو فوراً منادی کرانا کہ سارے لوگ میرے جنازے پہ آ کر روئیں۔لیکن کہا کہ کسی کو بھی نہیں آنے دینا۔کیوں؟ اس لیے کہ جو ولایت سے دور ہیں وہ میرے جنازے پہ آنسو بہانے کا حق بھی نہیں رکھتے اور یہ حقیقت ہے۔جو ولایت سے دور ہیں انہیں حتیٰ کربلا پہ بھی آنسو بہانے کا حق نہیں پہنچتا۔

ایک کام مدینے میں ماں نے کیا اور ایک کام بیٹی کوفہ میں کر رہی ہے کہ بیٹی لوگوں کو کہہ رہی ہے یہ آنسو ہمیں متاثر نہیں کرتے۔تم کوفی لوگ جو کربلا نہیں آئے تمہیں آنسو بہانے کا حق نہیں پہنچتا۔ایسا نہیں کہ یہ بیبیاں آنسوؤں کی تشنہ ہیں۔اگر آنسوؤں کی حسرت ہوتی تو کوفی اس وقت زار و قطار رو رہے تھے تو آپ سلام اللہ علیہا ان کوفیوں کو دعا دیتیں کہ خدا

تمہارا بھلا کرے کہ میرے بھیّا کے لئے پہلے دن ہی رو رہے ہو۔ ۱۲ محرم کو کوفی رو رہے تھے۔ سب سے پہلے رونے والی قوم کوفی تھے لیکن سیدہ سلام اللہ علیہا کی بیٹی نے ان پر نفرین کی اور ان پر لعنت کی کہ وہ لوگ جو اپنے ولی کی حمایت میں کربلا نہیں پہنچے اور کوفہ میں بیٹھ کر رو رہے ہیں ہمیں ان کا رونا قبول نہیں ہے۔

کوفیوں کی طرح ولی اور ولایت سے دور بیٹھ کر رونا، ان آنسوؤں کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ ان بیبیوںؑ کے نزدیک ان آنسوؤں کی ذرّہ برابر قیمت نہیں ہے۔ کن آنسوؤں کی قیمت ہے؟ جو کربلا میں ولی کی حمایت میں بہائے جائیں۔ جو نظامِ ولایت کے پرچم کے نیچے آ کر بہائے جائیں۔ ان آنسوؤں کی قیمت ہے بیبیاں خود بھی رو رہی تھیں۔ کہا کہ اگر رونا ہے تو ادھر آ کے رو یعنی ہمارے ساتھ رسیوں میں بندھ کر روئیں۔ تمہارے ہاتھ بندھے ہونے چاہیے پھر رو! جس طرح ہم سے چادریں چھین لی گئی ہیں اس طرح تم سے بھی چھین لی گئی ہوتیں تو پھر رونے کا حق تھا۔ تمہارا بھی کوئی سر اس وقت نوکِ نیزہ پہ ہوتا پھر رونے کا حق تھا۔ تم میں سے بھی کسی کی پشت کوڑوں سے سیاہ ہوتی پھر تمہیں رونے کا حق تھا۔ تمہارے گلے میں طوق و رسن ہوتے پھر تمہیں رونے کا حق تھا لیکن سٹیڈیم میں بیٹھ کر تماشائیوں کی طرح رونا تم سمجھتے ہو کہ ہم ان آنسوؤں کے تشنہ ہیں؟!

تشیع کیا مکتب تھا اور ہم نے اس کو کیا بنا دیا؟ حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے بھی کہا کہ ہمیں یہ آنسو نہیں چاہیئے جو تماشائیوں والے ہوں اور حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا نے بھی فرما دیا کہ میری سوگواری میں رونا تو درکنار میں تمہاری شرکت بھی برداشت نہیں کرتی۔ یہ لوگ میرے جنازے میں نہ آئیں، میری سوگواری اور میری عزاداری میں نہ آئیں۔ حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا نے ان پر پابندی لگا دی۔

تربتِ پنہان کا پیغام

حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا نے وصیت کی کہ رات کی تاریکی میں میرا جنازہ اٹھائیں اور میری قبر کو پنہاں کر دیں۔ حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کا یہ بھی احتجاج تھا کیوں؟ وہ لوگ جو نظامِ ولایت سے دور ہیں اور مخالف نظامِ ولایت ہیں انہیں حضرتؑ نے قیامت تک کے لیے فرمایا کہ مجھے یہ بھی پسند نہیں ہے کہ میری قبر کی زیارت کو آئیں۔ میری قبر پنہان کر دو کیونکہ کل کو لوگ آ کے پوچھیں گے کہ کیوں سیدہ سلام اللہ علیہا کی قبر پنہان ہے؟ یہ سوال تو ہے کہ قبرِ سیدہ سلام اللہ علیہا کیوں پنہاں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ خود حضرت زہراء سلام اللہ علیہا نے کہا تھا کہ میری قبر پنہان کرو اس لیے کہ یہ لوگ نہ آئیں جو لوگ مخالف ولایت ہیں اور ولایت سے دور ہیں وہ نہ آئیں۔ وہ لوگ ختم تو نہیں ہوئے۔ یوں نہیں ہے کہ حضرت کہیں یہ تین چار آدمی ہیں اور جب تک یہ زندہ ہیں میری قبر کے نشان مٹے رہیں اور جب یہ مر جائیں تو لوگوں کو میری قبر کا بتا دینا۔ ائمہ معصومین علیہم السلام کو نشانِ قبرِ زہراء سلام اللہ علیہا معلوم تھا لیکن نہیں بتایا۔ کیوں نہیں بتایا؟ اس لیے کہ وہ طبقہ ابھی باقی ہے اور حضرت نہیں چاہتیں کہ وہ لوگ میری قبر پر آئیں۔

یہ قیامت تک احتجاج ہے اور سیدہ سلام اللہ علیہا کا احتجاج ابھی ختم نہیں ہوا۔ آج بھی حضرت زہراء سلام اللہ علیہا کا احتجاج جاری ہے اور آج بھی ولایت کا دفاع کر رہی ہیں۔ آج بھی لوگوں کو متوجہ کر رہی ہیں کہ لوگو! میری قبرِ پنہان اس بات کی علامت ہے کہ آؤ ولئ خدا کا ساتھ دو۔

علیؑ کے بجائے فاطمہؑ جلتے دروازے پر؟!

یوں نہیں کہ احتجاج فقط اِن اقدامات سے کیا۔ پورا مدینہ خاموش، چار مرد خاموش حامی اور ایک بی بیؑ تنہا۔ یہ لوگ آئیں اور آ کر گھیرا کر لیا اور جب محاصرہ کیا تو توجہ کریں کہ جب ولایت کا محاصرہ ہو جائے تو اب کیا کریں؟ معمولی خواتین یہ کہتی ہیں کہ اگر محاصرہ ہو جائے تو کسی امن کی جگہ پر چلی جائیں جیسے بہت سارے لوگوں کے ذہن میں یہ سوال ہے کہ اگر محاصرہ ہو جائے تو ہم کیا کریں گے؟ بہت سارے لوگوں نے بستر باندھ کے رکھے ہوئے ہیں کہ جونہی پہلی گولی چلے گی ہم فوراً باڈر پر ہوں گے۔ کسی امن کے علاقے میں چلے جائیں گے۔ مدینہ میں جب محاصرہ ہوتا ہے امیر المومنین علیہ السلام کا گھر نا امن ہوتا ہے۔ چار خاموش حامی مرد اندر بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ چاروں اس وقت اس گھر میں موجود تھے۔ یہ سوال ہوتا ہے کہ کیوں امیر المومنین علیہ السلام اس وقت نہیں اٹھے؟ کیوں اپنی زوجہ کا دفاع نہیں کیا؟ کیوں اپنی ناموس کا دفاع نہیں کیا؟ کیوں بیوی و خاتون کو بھیجا اور خود نہیں آئے؟ یہ وہ سوالات و مغالطات ہیں جو لوگوں کے ذہنوں میں ہیں۔ پھر وہ تخیّل کی مدد سے ذاکروں اور خطیبوں کے ہاتھ چڑھتے ہیں تو عجیب و غریب باتیں کرتے ہیں۔ بعض افراد نے یہاں تک لکھا ہے کہ حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا نے امیر المومنین علیہ السلام سے کہا کہ علیؑ آپ کی غیرت کہاں گئی ہے کہ یہ دروازے پہ آ گئے ہیں اور آپ نکلتے کیوں نہیں ہیں؟ کس قدر نادان ہیں! کس قدر سفیہ و احمق ہیں یہ لوگ! نہ علیؑ کو سمجھے نہ ولی کو سمجھے اور نہ زہراء سلام اللہ علیہا سمجھے۔

علی علیہ السلام کا ہاتھ شمشیر پہ تھا، علی علیہ السلام اسد اللہ، شیر خدا، شجاع و دلیر جنہیں موت کا ذرّہ خوف نہیں ہے بلکہ جب امیر المومنین علیہ السلام کا لحظۂ شہادت آیا تو فرماتے ہیں کہ میں تو اسی موت

کی تلاش میں میدان جنگ میں جاتا تھا جو آج میرے پاس آئی ہے یعنی موت آگے ہوتی تھی علیؑ اس کے پیچھے ہوتے تھے۔ علی علیہ السلام تو موت سے نہیں ڈرتے۔ اگر اس دن شمشیر اٹھاتے تو یقیناً کامیاب ہوجاتے۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا۔ اب اگر خدانخواستہ حملہ ہوتا علی علیہ السلام شہید بھی ہوجاتے تو علی علیہ السلام کو موت سے کوئی پروا نہیں تھی۔ بعد میں بھی تو شہید ہوگئے لیکن اس دن کیوں شمشیر نہیں اٹھائی؟ اس لئے کہ کسی نے شمشیر اٹھانے نہیں دی۔ وہ کون شخصیت تھی جس نے شمشیر نہیں اٹھانے دی؟ یہاں آکر حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کی سیرت قائم ہوتی ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں نا کہ علی علیہ السلام بھی تو خاموش رہے؟ آج اپنے سکوت اور بزدلی کو چھپانے کے لئے سکوت علیؑ کا سہارا لیتے ہیں، صلح امام حسنؑ کا سہارا لیتے ہیں۔ حالانکہ وہ سیرت جو اس موقع کے لئے قابل عمل ہے وہ سیرتِ امیر المومنین علیہ السلام نہیں ہے بلکہ سیرتِ حضرت زہراء سلام اللہ علیہا ہے۔ آج اس سیرت پر عمل کرو۔ اس لئے کہ جب ولایت کا محاصرہ ہوجائے، ولی کا محاصرہ ہوجائے تو کون تلوار اٹھائے اس دن! اگر امیر المومنین علیہ السلام شمشیر اٹھا لیتے تو ہمیشہ کے لئے یہ سیرت بن جاتی کہ جب بھی ولی کا محاصرہ ہو تو خود ولی اپنا دفاع کرے، ولایت کا دفاع خود ولی کرے لیکن حضرت زہراء سلام اللہ علیہا نے کہا کہ اگر یہ سیرت قائم ہوجائے گی تو پھر آنے والے اولیاء کا بھی کوئی دفاع نہیں کرے گا اور ان کو اپنا دفاع خود کرنا پڑے گا۔ لہٰذا حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا نے کہا کہ آپ ولی ہو اس دن حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا زوجہ کے طور پر باہر نہیں آئیں بلکہ شیعہ بن کر باہر آئیں، علی علیہ السلام کی شیعہ بن کر باہر آئیں۔ پورے مدینے میں فقط زہراء سلام اللہ علیہا ایسی شیعہ ہیں جو کہتی ہیں کہ جب ولی کا محاصرہ ہوجائے تو وہاں شیعہ کی ذمہ داریاں شروع ہوجاتی ہیں، وہاں پیروکار کی ذمہ داریاں شروع ہوجاتی ہیں۔

علی علیہ السلام ولی ہیں اور زہراء سلام اللہ علیہا فقط زوجۂ علیؑ نہیں بلکہ پیروکارِ ولی ہیں۔ اس ولی

کی پیروکار نے میدان میں قدم رکھا کہ علی علیہ السلام یہ میرا میدان ہے۔ اب مجھے دفاع کرنا ہے۔ حضرت علی علیہ السلام کو آنے نہیں دیا کہا میں جاتی ہوں۔ پھر آئیں اگلا ماجرا سب کے سامنے ہے کہ کس طرح انہوں نے دروازے پہ للکارا، بی بیؑ نے للکار کا جواب دیا اور ہر للکار کے مقابلہ میں یہ کہا کہ جب تک زہراء سلام اللہ علیہا زندہ ہے علیؑ تک کوئی ہاتھ نہیں پہنچ سکتا۔

جب حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا یہ سیرت قائم کر رہی تھیں اور یہ باب رقم کر رہی تھیں۔ تو ہمارے لئے یعنی خواتین اور مرد دونوں کے لئے طرزِ زندگی بنا رہی تھیں۔ حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا نے یہ کارنامہ انجام دیا۔ جو کہتے ہیں کہ حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا عورتوں کے لئے اسوہ ہیں۔ ناں! حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا نے جو کچھ کیا اگر ہزار مرد بھی مل کر وہ کر لیں تو بھی بڑی بات ہے اور وہ نہیں کر سکتے۔ تنہا ایک خاتون نے یہ کام کیا کہ جب خطرہ ہو تو بھاگ نہ جاؤ۔ لوگوں نے کہا کہ ہم گھر جلائیں گے، کہا جلا دو میں دھمکی سے ڈرنے والی نہیں ہوں اور گھر جلا دیا۔ جلتے در سے تو پیچھے ہٹ سکتی تھیں اور حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا اندر کمرے میں چلی جاتیں۔ آگ لگتی ہے تو سب کو نظر آتی ہے کہ آگ لگ گئی ہے لیکن حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا اس خطر میں باقی رہیں کیوں؟ معلوم تھا کہ اگر میں نے یہ خطر کا مورچہ خالی کر دیا تو یہ ولی تک پہنچ جائیں گے۔ ٹھیک ہے میں آگ کے حصار میں ہوں، میرے گرد آگ کے شعلے ہیں لیکن اگر میں آگ سے بھاگ کر یہ مورچہ خالی کر دیتی ہوں ولی تنہا ہو جائیں گے۔ یہ نارِ نمرود سے زیادہ سخت امتحان تھا کیونکہ نارِ ابراہیمؑ سرد ہو گئی اور گلزار بن گئی لیکن حضرت زہراءؑ پر یہ آگ سرد نہیں ہوئی اور گلزار نہیں بنی۔ یہ وہ سیرت ہے جسے آج معاشرے میں زندہ کرنے کی ضرورت ہے۔

فصل چهارم:

عصمت فاطمیه سلام الله علیها و اعتصام امت اسلامیه

عصمت فاطمیہؑ، وحدت امت کا راز کیسے؟

حضرت سیدۃ النساء العالمین صدیقہ طاہرہ فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا کی ہستی و شخصیت اتنی جامع، عظیم المرتبت اور گہری شخصیت ہے کہ امام راحل امام خمینیؒ کے بقول تاریخ بھر میں اور صدیوں میں علماء، فقہاء اور مفکرین نے اس بحر بیکراں اور بحر عمیق کے اندر جتنی غوّاصی کی ہے اُس کے باوجود یہ کہنا مبالغہ نہیں ہے کہ حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کی شخصیت کے کئی پہلوں ابھی بھی ناشناختہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی اس عظیم نعمت جن کے فضائل سے ہم آشناء ہیں، جن کے مناقب ہم سنتے رہتے ہیں اور کسی حد تک جن کے کردار و سیرت کو بھی مختصر طور پر بعض اوقات بیان کیا جاتا ہے یا لکھا جاتا ہے لیکن حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کی شخصیت کے کچھ ایسے پہلوں بھی ہیں جن کی طرف آج کی نسل اور ہر نسل کے لیے توجہ ضروری ہے۔ آج ہم جس صورتحال میں گرفتار ہیں، موجودہ انسانی نسل، موجودہ مسلمین اور خصوصاً موجودہ پاکستانی مسلمان تمام فرقے وتمام مسالک ایک جیسی مشکلات اور مسائل کا شکار ہیں، اُن کے حل کا راز ہمیں حضرت صدیقۂ طاہرہ سلام اللہ علیہا کے کرداراور پاکیزہ سیرت کے اندر ملتا ہے۔

ہم قرآن کریم کی روشنی میں اس موضوع کا جائزہ لیتے ہیں کہ عصمتِ سیدۃ النساء العالمینؑ، عصمتِ فاطمیہؑ محورِ وحدت اُمتِ اسلامیہ کیسے قرار پاتی ہیں؟

عصمت فاطمیہؑ پر امت کا اتفاق

ہمیں ذرا غور سے عصمت کو سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے معصومین وانبیائے کرام علیہم السلام کو اور شیعہ امامیہ کے اعتقاد کے مطابق اہلِ بیت وائمہ علیہم السلام کو چونکہ اہلِ سنت کے مسالک ائمہ اطہار علیہم السلام کو مانتے تو ہیں لیکن اُن کی عصمت کو اس طرح سے نہیں مانتے جس طرح سے شیعہ ائمہ اطہار وائمہ اثناء عشر علیہم السلام کی عصمت کو مانتے ہیں اور اعتقاد رکھتے ہیں البتہ اسلام کے باقی مسالک ان کا احترام کرتے ہیں، ان کی امامت کے قائل ہیں اور ان کے خاص اعلیٰ مقام کے بھی معترف ہیں لیکن اہل بیتؑ کے لیے عصمت کے اس معنیٰ کے قائل نہیں ہوتے، ان کا کہنا ہے کہ انبیاء اور ائمہ میں فرق ہے لیکن شیعہ کے نزدیک امامت کی عصمت بھی ویسے ہی ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام کے لیے مقرر فرمائی ہے۔

البتہ حضرت زہراء سلام اللہ علیہا کی عصمت اہلسنت کے ہاں بھی مسلّم ہے اور امامیہ کے ہاں بھی مسلم ہے، تمام مسالک میں مسلّم ہے سوائے دو فرقوں کے کہ یہ دو فرقے اسلام میں شمار نہیں ہوتے اِنہوں نے زبردستی اپنے آپ کو مسلمانوں سے جوڑا ہوا ہے اور مسلمانوں نے غفلت کے ساتھ ان دونوں کو مسلمانوں کے زُمرے میں درج کیا ہوا ہے، یہ دونوں زہریلے فرقے ہیں اور مسلمانوں کے اندر فتنے ہیں۔ ایک ناصبی گروہ ہے کہ جو دشمن اہلِ بیتؑ ہے جو آلِ رسول علیہم السلام سے شدید بغض رکھتے ہیں اور دوسرے مشرک غالی ہیں جو نعوذ باللہ اِن کی اُلوہیت کے قائل ہیں، یہ اِن کی امامت، ولایت اور عصمت کے قائل نہیں بلکہ اِن کی اُلوہیت، خدائی اور رُبوبیت کے قائل ہیں، یہ مشرک ہیں اور اسلام سے اِن دونوں فرقوں کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اِن کے نظریات کو اسلامی نظریات میں شمار نہ کیا جائے اور اِن کے

نظریات کو بنیاد بنا کر فرقہ واریت نہ کی جائے اور اِن کے نظریات کو بنیاد بنا کر کسی بھی فرقے پر اتہام نہ لگایا جائے کیونکہ یہ دونوں اسلام کا حصہ نہیں ہیں۔ان دو فرقوں کے علاوہ باقی تمام مسالکِ اسلام اور اُن کے اکابرین عصمتِ حضرت زہراء سلام اللہ علیہا کے معتقد ہیں۔

عصمت کے بارے میں ہمارے ذہنوں میں پہلے سے اعتقادی اور عقیدتی تصور موجود ہے تمام عقیدتمندوں کے ذہن میں عموماً جو مقدس معارف اور مطالب موجود ہوتے ہیں، وہ زیادہ تر اِن پر واضح نہیں ہوتے ہیں، ان کے عقیدت مند ضرور ہوتے ہیں، اُنہیں مانتے ہیں، اُن کا احترام کرتے ہیں، اُن مطالب کے مقدس ہونے کے قائل ہیں اور اُ کی تکریم و تعظیم بھی کرتے ہیں لیکن اگر یہی مطالب اُن سے پوچھ لیے جائیں، اُن کی وضاحت اُن سے مانگ لی جائے تو وضاحت نہ خود اُن کے اپنے دل و دماغ کے لیے ہوتی ہے اور نہ دوسروں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔عموماً یہ مطالب مبہم اور مجمل ہوتے ہیں۔اس طرح کے مطالب تقدیس کے لیے تو کافی ہوتے ہیں لیکن عمل و رہنمائی لینے کے لیے کافی نہیں ہوتے ہے۔عصمت اُنہی مفاہیم میں سے ایک ہے۔انبیائے کرام علیہم السلام کی عصمت پر تمام مسلمین اور مومنین کا اتفاق ہے، اسی طرح ائمہ اثناء عشر ائمہ اطہار علیہم السلام کی عصمت پر علمائے امامیہ کا اتفاق ہے اور حضرت زہراء سلام اللہ علیہا کی عصمت پر تمام مسلمین کا اتفاق و اجماع ہے۔

عصمت، امت کیلئے حجاب ہے یا نجات ہے؟

عصمت سے عموماً یہ مراد لیتے ہیں جیسا کہ سب کے ذہنوں کے اندر موجود ہے کہ معصوم کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو زبردستی، مجبور و پابند کر کے غلطیوں،

خطاؤں، گناہوں اور لغزشوں سے پاک و مُطہر کردیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے فرشتے مامور کیے ہیں یا اُن کے اندر ایسی حفاظتی تدبیر قائم کردی ہے کہ وہ اُن سے کوئی خطا، غلطی یا سہو ونسیان سرزد نہیں ہونے دیتی۔ یہ وہ عام سا تصور ہے جو سب کے ذہنوں کے اندر موجود ہے اور اسی معنیٰ میں عصمت کے معتقد ہیں اور اس تصورِ عصمت سے معصومین علیہم السلام کو معمولی انسانوں کی زندگی سے باہر نکال دیتے ہیں کیونکہ جب معصومین علیہم السلام کی عصمت کی وضاحت آپ کرتے ہیں اور عصمت کی وضاحت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ معمولی انسانوں میں اور اِن میں آپس میں کوئی نقطۂ مشترک نہیں ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ معمولی انسان اِن کی سیرت اور کردار کو اپنے لیے ناممکن، مُحال اور ناقابلِ دسترس قرار دیتے ہیں کہ معصومین علیہم السلام کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک علیحدہ مقام رکھا ہے اور باقی تمام انسانوں کے لیے اللہ نے علیحدہ نظام بنایا ہے یعنی دو دین ہیں، دو اسلام ہیں، دو نظام ہیں اور دو ہدایت کے سلسلے ہیں کہ ایک معصومین علیہم السلام کے لیے ہے اور ایک معمولی انسانوں کے لیے ہے۔

عصمت کی اس تعریف اور تفسیر کے نتیجے میں لوگوں کے ذہنوں میں خود ہی یہ سوال آجاتا ہے اور خود ہی یہ تصوّر قائم ہوجاتا ہے لہٰذا آپ سیرتِ حضرت زہراء سلام اللہ علیہا کا کوئی نمونہ اگر آج کی خواتین کے لیے پیش کریں تو اُن کا جواب یہ ہوتا ہے کہ وہ تو معصومہ ہیں وہ تو مقامِ عصمت پر قائم ہیں اور ہم تو گناہگار و معمولی لوگ ہیں اُنہوں نے جو کچھ کیا ہم وہ کیسے کرسکتے ہیں؟! لہٰذا فوراً خواتین اور مرد اپنے آپ کو بری الذّمہ قرار دیتے ہیں کہ ہم تو معصومین علیہم السلام کی سیرت کو اپنانے کے پابند نہیں ہیں، ہم صرف معصومین علیہم السلام کی تقدیس کرنے کے پابند ہیں، ہمیں اُن کے احترام و مناقب کا قائل ہونا چاہیے ہمیں فقط ان کا احترام کرنا چاہیے ورنہ اُن کی سیرت ہمارے لیے معصوم ہونے کی وجہ سے قابلِ دسترس نہیں ہے۔

عصمت کی حکمت

سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جن ہستیوں کو اُمت کی ہدایت کے لیے مقرر فرماتا ہے، اُن کو معصوم کیوں بنا دیتا ہے؟ اور لوگ یہ کیوں سمجھتے ہیں کہ معصوم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اب ہم اِن کی سیرت پر عمل نہیں کر سکتے ہیں چونکہ وہ معصوم ہیں اور ہم غیر معصوم ہیں؟ لہٰذا ان کو اپنی زندگیوں سے باہر نکال کر فقط ان کی تقدیس، فضائل و تفضیل اور تعریف کرتے ہیں لیکن اُن کی تاسی اور اُن کی سیرت پر عمل پیرا نہیں ہوتے اور اُن کے نقشِ قدم پر نہیں چلتے اور اُنہیں اپنی زندگی کی سر مشق نہیں سمجھتے ہیں، عصمت کو رکاوٹ سمجھتے ہیں، عصمت کو جدائی کی لائن و لکیر سمجھتے ہیں کہ معصوم اُدھر اور غیر معصوم اِدھر! معصوم کے لیے علیحدہ نظام اور غیر معصوم کے لیے علیحدہ نظام ہے۔ اِس نقطے کے لیے ہمیں وضاحت کی ضرورت ہے کہ خداوند تبارک و تعالیٰ نے ان ہستیوں کو معصوم بنایا اُس کا معنیٰ کیا ہے؟ اور اس کی حکمت کیا ہے؟ عصمت کا حامل ہو کر دراصل اُنہوں نے کرنا کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے جس طرح انبیائے کرام علیہم السلام کو علم دیا ہے تو یہ علم اُمت اور انبیاءؑ کے درمیان جدائی اور فاصلے کی لکیر نہیں بنائی بلکہ یہ علم انبیائے کرام علیہم السلام کو وحی کے ذریعہ اس لیے عطا کیا ہے تا کہ یہ علم غیر انبیاء یا عام لوگوں کی ہدایت کا ذیعہ و وسیلہ بنے، اِس علم کی ذریعے سے انبیاءؑ نے انسانیت کی ہدایت کرنی ہے اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرامؑ کو اخلاص دیا ہے تو یہ فاصلے کی لکیر کے لیے نہیں دیا بلکہ یہ اس لیے دیا ہے تا کہ اِن کا اخلاص اُمت میں منتقل ہو، انبیاءؑ کا خلوص، پاکیزگی و طہارتِ کردار اُمت میں منتقل ہو جس طرح اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلق قرآنِ مجید میں فرمایا ہے:

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیِّیْنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ......[1]

ترجمہ: وہی ہے جس نے امیین میں ہی سے ایک رسول مبعوث فرمایا جو ان پر اس کی آیتیں تلاوت کرتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

یعنی ہم نے نبی پر آیات اُتاریں تا کہ اُمت پر تلاوت کریں، ہم نے نبی کو پاک و کیزہ بنایا تا کہ اُمت کا تزکیہ کریں، ہم نے نبی کو کتاب وحکمت دی تا کہ اُمت کو اسکی تعلیم دیں یعنی جو کچھ انبیاءؑ کے پاس ہے، یہ اُمت کی امانت ہے، یہ اُمت کی ہدایت ونجات کا وسیلہ ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاءؑ کو وہ صفات دی ہیں جو اُمت سازی کے لیے ایک معلم، مربی، رہبر، امام و پیشواء کے اندر ضروری تھیں، اُن تمام صفات سے اللہ تعالیٰ نے انہیں مزیّن فرمایا ہے۔

ذمہ داری سے پہلے صلاحیت کا عطیّہ

چونکہ حضرت سیدہؑ کی ولادت کا دن، یومِ تکریمِ مادر ہے لہٰذا اس مطلب کی وضاحت ماں کی خصوصیت میں عرض کرتا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ماں کو کیا خصوصیات عطا کی ہیں؟ اور یہ خصوصیات ماں کسی اسکول، کالج یا کسی ٹریننگ سنٹر میں نہیں سیکھتی بلکہ جوں ہی درجہ اُمومت اُس کو عطا ہوتا ہے، اُم و ماں بنتی ہے تو اللہ کی جانب سے اُس کے اندر یہ صلاحیت اور یہ صفات پیدا ہو جاتی ہیں، ماں بننے سے پہلے یہ ایک خاتون ہوتی ہے، ماں بننے سے

---

[1]......(سورۃ الجمعۃ، آیۃ: ۲)

پہلے اُردو زبان کے مطابق ایک لڑکی ہوتی ہے یا عربی کے مطابق یہ ایک فتاۃ یا فارسی کے مطابق یہ ایک دوشیزہ ہے لیکن جب یہی لڑکی یا دوشیزہ یا یہی دُختر ماں کے درجے پر فائز ہو جاتی ہے تو گھر والے باقاعدہ اس کے عمل اور کردار میں تبدیلی مشاہدہ کرتے ہیں یہی لڑکی جو بہت اہم اور ضروری موقعوں پر بھی بیدار نہیں ہوتی تھی ، نماز کے لیے بیدار نہیں ہوتی تھی ، گھر کے دُکھ سُکھ کے لیے بیدار نہیں ہوتی تھی ، لاپرواہی برتتی تھی ، جب اللہ اس کی آغوش میں نعمتِ اُولاد عطا کر دیتا ہے اور اس کی کوکھ سے بچہ پیدا ہوتا ہے تو نہ اُٹھنے والی اب اس وقت تک سوتی نہیں ہیں جب تک بچہ نہ سو جائے! کاموں سے بیزار عورت اب سراپا دن رات بچے کو لیے کھڑی رہتی ہے، تھکن کا نام نہیں لیتی ہے ، اب اس کے اندر تھکن آتی ہی نہیں ہے۔ اُم واُمومت کی یہ تمام صلاحتیں اللہ کی طرف سے ودیعت کی جاتی ہیں اسی لیے ماں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رُبوبیت کا مظہر قرار دیا ہے کہ اگر آپ نے اللہ کی رُبوبیت کو زمین پر عملی طور پر دیکھنا ہے کہ اللہ کس طرح اپنے مربوب ، اپنی مخلوق کی رُبوبیت و پرورش کرتا ہے تو اُس کی ایک چھوٹی سی جھلک ماں کے اندر مشاہدہ کر لیں لہٰذا اسی لیے ماں کی تعظیم کا ذکر اپنی عبادت کے ساتھ جوڑ کر بیان کیا ہے:

وَ قَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِیَّاہُ وَ بِالۡوَالِدَیۡنِ اِحۡسَاناً ......[1]

ترجمہ: اور آپ کے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو اور والدین کے ساتھ احسان کرو۔

یعنی آپ اللہ کی بندگی کرو، اللہ کی عبادت کرو اور والدین کے ساتھ حُسنِ رفتار سے

---

[1]...... (سورۃ الاسراء آیۃ: ۲۳)

پیش آؤ۔ اللہ تعالیٰ نے ماں کو اپنی رُبوبیت کی تجلّی گاہ بنایا ہے اور آپ دیکھیں کہ جوں ہی ایک عام و معمولی خاتون خواہ وہ دیہات کی رہنی والی ہو یا شہر کی رہنے والی ہو، وہ مذہبی رُجحان رکھتی ہو یا نہ رکھتی ہو، وہ شیعہ ہو یا سُنی ہو، وہ گرم علاقے کی ہو یا سرد علاقے کی ہو، وہ غربی ہو یا شرقی جوں ہی ماں کے درجے پر فائز ہوتی ہے اُس کے اندر وہ صفاتِ والا اور وہ خصائلِ اعلیٰ اللہ کی طرف سے ودیعت ہو جاتے ہیں اور وہ اپنی آغوش میں ایک انسان کو پرورش دینے کے لیے مہربان و رؤف ہو جاتی ہے، اُس کے اندر لطافت وعطوفت آجاتی ہے، محبت، ایثار و فدا کاری آجاتی ہے، یہ سب کچھ اس لیے ماں کو دیا جاتا ہے تاکہ جو اُس کی آغوش میں ہے، جو اُس کی کوکھ سے پیدا ہوا ہے، اُس کی پرورش ہو سکے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اُمتوں کی پرورش و رہنمائی کے لیے انبیائے کرام و ائمہ اطہار علیہم السلام کو مبعوث و منصوب فرمایا ہے، اس لیے یہ ماں سے بھی زیادہ مقام و درجہ رکھتے ہیں کہ ماں جسمانی پرورش کرتی ہے اور اللہ سے یکجا طور پر اتنی صفات لے لیتی ہے لیکن انبیاء علیہم السلام کو جب اللہ کی طرف سے یہ ماموریت ملتی ہے، مبعوث ہوتے ہیں تو وہ ساری صفات جو اُمتوں کی پرورش، تربیت، تعلیم اور اُمت سازی کے لیے لازمی وضروری ہوتیں ہیں، وہ ساری صفات اللہ کی جانب سے اُنہیں عطا کر دی جاتی ہیں اور اُن میں سے ایک اہم وصف وصفت ”عصمت“ ہے۔

قرآن عصمت شناسی کا منبع

ہمارے پیشہ ور خطیبوں جو عصمت پر فیسوں کے لیے تقریریں کرتے ہیں، جو خود عصمت کے معنیٰ سے آشنا نہیں ہیں، جو عصمت کا ذکر کے اُمت کو عصمت کا صحیح معنی بتانے

سے عاجز ہیں، لوگ ان افراد سے عصمت کا ذکر سنتے ہیں۔ جس کی وجہ سے عصمت، اُمت اور ہادی میں رُکاوٹ و فاصلے کی لکیر نظر آتی ہے اور ایک باؤنڈری لائن نظر آتی ہے جس سے معصوم اُدھر ہو جاتے ہیں اور اُمت اِدھر ہو جاتی ہے اور اِدھر والے اُدھر والوں کے لیے فقط دورود و سلام پڑھ سکتے ہیں لیکن اُن کی طرح زندگی نہیں گزار سکتے ہیں لہٰذا اُن کی مانند اپنی زندگی کا پیمانہ نہیں بنانا، یہ اس وجہ سے ہے کہ ہم نے عصمت کو کسی نااہل و نامناسب افراد سے سُنا ہے۔ قرآنِ کریم سے عصمت کو سمجھیں، قرآن ہماری ہدایت کی کتاب ہے۔ پہلے قرآن پڑھ کر، قرآن سیکھ کر، قرآن سمجھ کر پھر روایت کی طرف رجوع کریں، اقوال کی طرف رجوع کریں، علماء کی طرف رجوع کریں، تمام دنیا کے تجربات و مشاہدات کی طرف رجوع کریں لیکن اگر پہلے دوسرے مشاہدات و تجربے پڑھ لیں، اقوال و آراء پڑھ لیں اور آخر میں قرآن کی طرف آئیں تو پھر ہم قرآن نہیں سمجھیں گے بلکہ قرآن کو اپنی خرافات کی تائید کے لیے تبدیل و تحویل کر دیں گے اور قرآن کے مفاہیم کو توڑ مروڑ کر اپنے من گھڑت عقائد کو قرآن سے ثابت کرنے کی کوشش کریں گے لہٰذا پہلے قرآن کو سمجھنا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے قرآن کی تعلیم سے آغاز کیا: ......**يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ**......[1] اللہ کی آیات تلاوت کر کے اُمت سازی کی۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُنہیں پہلے کچھ اور پڑھایا ہوتا ہو اور پھر قرآن کی طرف لاتے تو دوسری ساری چیزوں کو قرآن سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے اور قرآن سے ہدایت نہ لیتے۔

قرآن کے مطابق ہادی، مربی اور الٰہی پیشوا کے اندر عصمت لازمی ہے، اُن کی

---

[1]......(سورۃ الجمعۃ، آیۃ: ۲)

ماموریت، فریضہ اور وہ عہد جو اللہ نے اُن سے لیا ہے، اُس کی ادائیگی کے لیے عصمت ضروری ہے، اس لیے کے اُنہوں نے جو وصف اللہ سے لیا ہے، اب وہ وصف واسطہ بننا ہے امت سازی کے لیے کہ اُسی صفت کی حالت میں اُمت کو تیار کیا جائے ۔ میں اگر مطلب کو مختصر وخلاصہ کر کے پیش کروں تو یوں عرض کرتا ہوں اللہ نے انبیاءؑ وائمہؑ کو معصوم بنایا، حضرت زہراء سلام اللہ علیہا کو معصوم بنایا کیوں بنایا؟ نہ کہ اُمت سے دوری و فاصلے کے لیے بلکہ جو اللہ کے بنائے ہوئے معصوم ہیں، انہوں نے اُمت کو اس معصومیت تک پہنچانا ہے، اُمت کو معصومیت عطا کرنی ہے، اُمت کو معصومیت کا راستہ دکھانا ہے اور اُمت کو عصمت کی راہ کی طرف رہنمائی کرنی ہے لیکن یہ اُس وقت بات سمجھ میں آئی گی جب ہم عصمت کو قرآنِ کریم سے سمجھیں گے۔

عصمت در زبانِ وحی

قرآنِ کریم کی کئی آیات کے اندر خداوند تبارک وتعالیٰ نے عصمت اور عصمت سے نکلے ہو الفاظ کا ذکر فرمایا ہے جیسے **اعتصام**، **استعصام**، **عاصم** وغیرہ، یہ وہ الفاظ ہیں کے جو لفظِ عصمت (ع،ص،م،ت) اِس چار حرفی لفظ سے نکلے ہیں البتہ اصل تین حرفی عَصَمَ (ع، ص،م) عربی کا لفظ ہے لیکن اُس سے جب مصدر بنتا ہے تو عصمت چار حرفی لفظ بنایا جاتا ہے۔

عصمت کا قرآنی اور لغوی معنیٰ حفاظت ہے۔ عربی لغت میں بھی اِس کا مطلب حفاظت ہی ہوتا ہے۔ عصمت حفاظت ہے اور معصوم یعنی محفوظ جنہیں اللہ نے معصوم بنایا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے حفاظت کی ایسی تدبیر اور ایسا بندوبست کیا

ہے کہ جن چیزوں سے اللہ نے اُنہیں بچانا ہے، اُن سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے معصوم کے اندر مدافعاتی صفات رکھ دی ہیں۔

آج کل ایک وبا پوری دینا کے اُوپر مُسلط ہے اور پھیلی ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ سب کونجات عطا فرمائے اور خداوند تعالیٰ جو بیمار ہیں اُنہیں شفاء عطا فرمائے اور جو محفوظ ہیں اللہ تعالیٰ اُنہیں اس کے شر سے سلامت رکھے۔ تمام لوگ اس سے بچنے کے لیے کوششیں کر رہے ہیں، ماسک اس کے لیے حفاظتی تدبیر ہے چونکہ تنفّسی وائرس ہے، سانس میں چلا جاتا ہے اور سانس کے نظام کو، دستگاہ اور پھیپڑے کو ناکارہ بنا دیتا ہے لہٰذا سانس کی راہوں کو انسان محفوظ کر لے کہ سانس جائے، آکسیجن جائے لیکن اُسکے ہمراہ آلودگی وبا، جراثم و وائرس نہ جائے اگر یہ تدبیر آپ نے کی ہوئی ہے یہی حفاظت کہلاتی ہے، یہ بیماری کے مقابلے میں حفاظت کا ایک اہتمام و انتظام ہے چونکہ انسان آفات، بیماریوں، جراثیموں اور وائرس کی زد میں ہے۔

حفاظت کے لیے کئی اہتمام ہیں اس میں سے کچھ ہم کرتے ہیں بعض کی طرف دھیان نہیں دیتے لیکن اکثر افراد اپنی حفاظت کا اہتمام کرتے ہیں جیسے سردی کا موسم ہے تو آپ نے سردی سے محفوظ رہنے کے لیے گرم لباس پہنا ہے چونکہ انسانی جسم کی ترکیب و ساخت کے لیے حد سے زیادہ سردی مناسب نہیں ہے، انسان کے جسم کو بیمار کر دیتی ہے، انسان کے جسمانی نظام کا معین درجہ حرارت ہے اُس کے مطابق اگر باہر زیادہ سردی ہو جائے تو جسم کو نقصان پہنچتا ہے، لہٰذا اس ضرر سے بچنے کے لیے گرم لباس ہے۔

حجاب خواتین کیلئے ذریعۂ عصمت و حفاظت

خوب، ایک بہت ہی خوبصورت منظر جو یہاں (جامعہ اُم الکتاب) میں ہمیشہ نظر آتا ہے اور پاکستان بھر میں الحمد للہ یہ حَسین منظر دکھائی دیتا ہے اور پاکستان اس لحاظ سے دنیا میں ممتاز ملک ہے کہ آج بھی دنیا میں سب سے بہتر حجاب پاکستان میں ہے ہر چند بعض عورتیں حجاب نہیں کرتیں، بعض خواتین کا نامناسب حجاب ہوتا ہے یا بعض بالکل نہیں کرتیں، اُس کے باوجود مجموعی طور پر باقی دنیا کی نسبت پاکستان میں حجاب کو خواتین زیادہ مراعات کرتی ہیں، کچھ ملکوں میں لازمی ہے جیسے ایران میں پابندی و قانون ہے لیکن آپ پھر بھی دیکھیں گے کہ پاکستانیوں سے کم حجاب ہوتا ہے اور بعض اوقات اُن کا حجاب نامناسب ہوتا ہے متدین لوگ حجاب کرتے ہیں لیکن باقی نہیں کرتے ہیں۔ پاکستان کو اللہ تعالیٰ نے یہ عزت دی ہے جیسے ساری دنیا میں اس وبا (کرونا وائرس) نے تباہی مچائی لیکن پاکستان میں اُس درجہ کی تباہی نہیں ہوئی اللہ نے محفوظ رکھا، اللہ کا لطف ہے ہر چند ہماری حکومت کریڈٹ لیتی ہے کہ یہ اُن کی وجہ سے کم ہوا ہے، ناں! حکومت نے اس میں کچھ بھی نہیں کیا اور نہ غیر حکومت، اپوزیشن یا کسی اور طبقے نے کچھ کیا ہے بلکہ یہ اللہ کا خصوصی لطف و کرم ہوا ہے کہ پاکستان میں اس وبا نے وہ تباہی نہیں مچائی جو دیگر ممالک کے اند پھلائی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا لطف ہے باوجود پاکستان کے اندر مختلف مسائل و مشکلات ہیں لیکن خواتین عموماً اپنا حجاب قائم رکھتی ہیں۔ حجاب کیا ہے؟ یہ بھی حفاظت ہے جیسے گرم لباس سردی سے بچنے کے لیے ہے اور جس طرح ماسک، وائرس سے بچنے کے لیے ہے اسی طرح یہ حجاب بھی آپ کے اپنے تحفظ کے لیے ہے۔

حفاظت کو ہی عربی زبان میں عصمت کہا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے جس سے جس کو بچانا ہو تو بچت اور حفاظت کا ذریعہ اُسے عطا کر دیتا ہے اور اللہ نے آپ (خواتین) کو اُن تمام شرانگیز اور شہوات آمیز نگاہوں، نیتوں وارادوں سے بچانا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے حجاب مقرر کیا ہے، یہ بھی ایک ماسک ہے چونکہ وائرس کوڈ ۱۹ پھیپڑے کو تباہ کرتا ہے تو آپ نے ناک ڈھانپ لی ہے لیکن بے عفت وشہوات ران مرد کی نگاہ خاتون کے پورے جسم کو متاثر کرتی ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ ماسک آپ کے پورے جسم کے لیے منظور کیا ہے چونکہ یہ وائرس ایسا ہے کہ جو صرف پھیپڑے پے ہی نہیں بلکہ پورے جسم پر اثر انداز ہوتا ہے اس لیے اس کو محفوظ رکھنے کے لیے حجاب ضروری قرار دیا گیا ہے، یہ ایک تحفظ اور حفاظت ہے، اللہ تعالیٰ کی امانت کے لئے، ایک مقدس خاتون کا مقام، عفت اور حرمت، اللہ تعالیٰ کا حق ہے، جب آپ حجاب کرتی ہیں تو یہ نہ کہیں کہ میں اپنے آپ کو بچاتی ہوں، اپنے خاندان کی عزت بچاتی ہوں، اپنا جسم بچاتی ہوں، ناں! سب سے پہلے یہ کہو کہ میں حجاب کر کے اللہ کی امانت بچا رہی ہوں، اللہ کا دیا ہو حق بچا رہی ہوں، میں اُس حق کی محافظ ہوں جو اللہ تعالیٰ نے میرے لیے مختص قرار دیا ہے، میں اُس حُرمت کی محافظ ہوں جو اللہ نے مجھے عطا کی ہے اور اُس کو بچا رہی ہوں۔

معصومؑ کی سیرت اپنانا اعتصام ہے

پس اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو بچانا ہے اُن کے لیے حفاظتی انتظام کیا ہے، اسی طرح خداوند تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ کریم کے اندر اُمتوں کو بچانے کے لیے حفاظتی تدبیر کی

ہے لہٰذا اُمتوں کی حفاظت کے لیے قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ کا فرمانہ ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا......[1]

مترجمین ومفسرین عموماً لکیر کے فقیر ہوتے ہیں جو لکیر کھینچ دو اُنہوں نے لکیر پر ہی چلنا ہے، لکیر گھومے گی یہ بھی گھوم جائیں گے، لکیر سیدھی جائے گی تو یہ بھی سیدھے جائیں گے، انہوں نے بصیرت وعقل کے ساتھ نہیں چلنا ہوتا بلکہ لکیر کے اُوپر چلتے ہیں، پہلے مترجم نے کسی لفظ کا جو ترجمہ کردیا بعد میں صدیوں تک جتنے مترجم آئیں گے اُس کے ترجمے کو دیکھ کر ترجمہ ویسے ہی کرتے ہیں۔ عموماً وَاعْتَصِمُوْا کا ترجمہ کرتے ہیں تھام لو!، حالانکہ تھام لینے کو تو وَاعْتَصِمُوْا نہیں کہتے ہیں کیونکہ عربی میں تھامنے کے لیے الگ لفظ استعمال ہوا ہے، عربی میں تھام لینے کو اِتَّخَذُوْا کہتے ہیں یعنی پکڑ لو، تھام لو، لے لو، اخذ کرلو یا اَمسَکُوا کا لفظ استعمال ہوتا ہے یعنی امساک کرو، پکڑ لو۔ عربی فصیح زبان ہے جس میں ہر مطلب کے لیے الگ الگ لفظ موجود ہے، **اعتصام** (ا،ع،ت،ص،ا،م) طلاب وطالبات کی رہنمائی کے لیے ہجّے بھی کردیتا ہوں تاکہ انہیں پتہ چل جائے، ویسے یہ ہجّے سب کے لیے ہی مفید ہیں چونکہ انگلش میڈیم نے اُردو، عربی، فارسی جیسی ساری زبانیں ذہن سے ڈیلیٹ کردی ہیں لہٰذا اعتصام لکھنے کے لیے بھی سوچ رہے ہوتے ہیں کہ اعتصام A سے ہوتا ہے یا E سے ہوتا ہے!

اللہ تعالیٰ نے اُمت کی حفاظت کے لیے فرمایا:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعاً......

وَاعْتَصِمُوْا، اللہ کی رسی تھامنا نہیں ہے۔ اُمت کے فرائض اور واجبات میں سے

---

[1]......(سورۃ آلِ عمران، آیۃ:۱۰۳)

ایک کام اعتصام ہے، اعتصام عربی لفظ ہے جو لفظِ عصمت سے نکلا ہے۔ عصمت تحفظ کو کہتے ہیں اور اعتصام یعنی تحفظ اختیار کرنا، حفاظتی ذریعہ اختیار کرنا، تحفظ کا ارادہ و نیت کرنا، تحفظ کے لیے قدم اُٹھانا، حفاظت کے لیے باقاعدہ منظور شدہ تمام چیزیں بروئے کار لانا۔ پس تھامنے کو اعتصام نہیں کہتے ہیں بلکہ اعتصام کا مطلب ہوتا ہے حفاظتی ذریعہ اپنانا، حفاظت کا اردہ کرنا، حفاظت کا اقدام کرنا۔

اللہ تعالیٰ نے امت کی حفاظت کے لیے اعتصام کا حکم دیا ہے چونکہ تفرقہ اُمت کی نابودی و بربادی ہے جس طرح ایک جسم کو کاٹ دیا جائے تو ختم ہو جاتا ہے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت ایک پیکر و جسد کی طرح کاٹنے سے ختم ہو جاتی ہے:

مَثَلُ الْمُؤْمِنِينَ فِي تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ ، مَثَلُ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكَى مِنْهُ عُضْوٌ تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمَّى ......[1]

ترجمہ: مومنوں کی مثال ان کی دوستی اور اتحاد اور شفقت میں ایسی ہے جیسے ایک بدن کی، بدن میں جب کوئی عضو درد کرتا ہے تو سارا بدن اس میں شریک ہو جاتا ہے نیند نہیں آتی، بخار آجاتا ہے۔

اس حدیث مبارکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمانا ہے کہ تمہاری مثال ایک جسد اور جسم جیسی ہے اور تم سب اُس کے اعضاء کی مانند ہو، یہ اعضاء جُڑے رہیں تو جسد قائم رہتا ہے اور اگر یہ اعضاء کٹ جائیں تو جسد ختم ہو جاتا ہے۔ اُمت کے فرد فرد کی مثال اعضاء جسد کی طرح ہے

---

[1]......(مسلم، كتاب البر والصلة والآداب، (١٩٩٩/٤)، (٢٥٨٦)، والبخاري، كتاب الأدب، باب رحمة الناس والبهائم)

لہٰذا اس جسد و پیکرِ اُمت کو باقی رکھنا ہے، اس کی حفاظت کرنی ہے اور حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے وسیلے فراہم کیئے ہیں۔

پس یہ عصمتِ اُمت ہے وَاعْتَصِمُوا، اے لوگوں! اے مومنوں! اے مسلمانوں! عصمت اختیار کرو۔ وَاعْتَصِمُوا، کا مطلب تھامنا نہیں ہے بلکہ وَاعْتَصِمُوا، کا مطلب ہوتا ہے عصمت اختیار کرو! اتفاقاً پاکستان کے شیعہ و سنی مدرسے دیگر دنیا سے اچھی عربی پڑھاتے ہیں اور بعض مدرسے تو صرف عربی پڑھاتے ہیں اور عربی پڑھ کر سمجھتے ہیں کہ ہم سارا اسلام سمجھ گئے ہیں، عربی کی گرامر پڑھتے ہیں، صرف و نحو پڑھتے ہیں اور لغات پڑھتے ہیں جبکہ یہی عربی گرامر اسلام نہیں ہے، یہ اسلام کی لنگویج ہے۔ عربی کے بعد جب قرآن، حدیث و سنت پڑھو گے تو آپ کا اسلام کا نصاب شروع ہو جائے گا صرف عربی پڑھ لینا اسلام نہیں ہوتا، اب اتنی عربی پڑھنے کے بعد آپ اس کا معنی تھامنا کیوں کرتے ہو؟!

وَاعْتَصِمُوْا کی طرح ہی ایک اور لفظ جو استعمال ہوتا ہے وَاحْتَسِبُوْا ہے۔ آج کل پاکستان کے اندر ہماری حکومت اپوزیشن کا احتساب کر رہی ہے اور وہ ان کے مقابلے میں اپوزیشن احتجاج کر رہی ہے، دونوں الفاظ ایک ہی باب سے ہیں: احتجاج اور احتساب۔ یہاں احْتَسِبُوْا کا مطلب ہوتا ہے یعنی حساب کتاب مانگنا، حساب لو، جانچ پرکھ کرو، کیا کھایا؟ کیا لیا؟ قوم و ملت کا پیسہ، بیت المال کا پیسہ، ملک کا پیسہ لے کر کیا کیا؟ کدھر خرچ کیا؟ اس حساب لینے کو احتساب کہتے ہیں۔ اسی طرح عصمت کا معنی تحفظ ہے اور اعْتَصِمُوْا یعنی عصمت اختیار کرو! خوب یہ سیدھی سیدھی عربی ہے، اس میں کوئی پیچیدگی نہیں ہے، اس کا مطلب ایسا گھوما کے کرتے ہو کہ بات ہمیں سمجھ ہی نہ آئے۔

اعتصام بحبل اللہ عصمت اختیار کرنے کا ذریعہ

وَ اعۡتَصِمُوۡا یعنی آپ عصمت، تحفظ وحفاظت اختیار کریں! کس ذریعہ سے کریں؟ حبل للہ کے ذریعے سے کریں۔ وَ اعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰہِ ...... اللہ کی آویزاں کی ہوئی رسی کے ذریعے عصمت اختیار کریں۔ ہم عموماً حبل کا ترجمہ رسی کرتے ہیں جبکہ عربی زبان میں اس کا ترجمہ رسی نہیں ہے بلکہ عربی لغت میں ایسی کوئی بھی چیز جو اپنی بچت کے لیے آویزاں کی جائے وہ حبل کہلاتی ہے۔ حبائل، حبالہ یعنی لٹکی ہوئی آویزاں چیز۔ اب لکڑی لٹکائے وہ بھی حبل ہے، رسی لٹکایں وہ بھی حبل ہے، کپڑا لٹکایں وہ بھی حبل ہے عموماً گھریلو خواتین یا گھر میں کام کرنے والی ماسیاں اور نوکرانیاں کپڑے دُھو کے رسیوں پہ لٹکا دیتی تھیں، ان کپڑوں کو حبائل کہتے ہیں۔ رسی نہیں بلکہ اُوپر کپڑا سوکھنے کے لیے لٹکا دینا، یہ کپڑے آپ کے لباسِ حبائل ہیں۔ البتہ اب تو مشینیں آ گئی ہیں۔ حبل رسی کو نہیں کہتے ہیں بلکہ حبل لٹکی ہوئی چیز کو کہتے ہیں جو چیز اُوپر سے نیچے کی طرف لٹک رہی ہو اور لٹکتی بھی کس کے لیے ہے تا کہ اُس کے ذریعہ سے کسی چیز کو بچایا جا سکے جیسے ڈوبتے انسان یا کنویں میں گرے ہوئے شخص کے لیے کوئی چیز لٹکایں تا کہ وہ اُس کو تھام لے یا کسی زمین پہ گرے ہوئے شخص کی طرف آپ ہاتھ بڑھایں، یہ سب حبائل ہیں۔

چونکہ تم نیچے ہو اَسۡفَلَ سافِلِیۡن میں ہو اور اللہ اعلیٰ علیین میں ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اُس مقامِ عُلّو سے تمہاری (سافلین کی) جانب ہدایت کے اُمور لٹکا دیے ہیں، آویزاں کر دیے ہیں۔ کیا کیا آویزاں کیا ہے؟ نبوت، امامت، آسمانی کتابیں وغیرہ، یہ سب ہدایت ہیں، یہ سب اللہ کی رسی ہے جیسے دین، شریعت و احکام وغیرہ جو بھی اللہ کی جانب

سے انسان کی نجات وحفاظت کے لیے ہے، یہ اللہ کی رسی ہے اور آپ اس حبل اللہ یعنی اللہ کے فراہم کیے گئے وسائل کے ذریعے سے عصمت اختیار کرو۔ یہ اُمت کو حکم ہے کہ عصمت اختیار کرو!

اعتصام، قرآن کی روشنی میں

چند آیات آپ کی خدمت میں پیش کی جاتی ہیں کہ یقین آجائے ویسے تو ہم کثرت سے قرآن پڑھتے ہیں لیکن مُردوں کے لیے پڑھتے ہیں۔ آج ہم خود توجہ کریں کہ یہ قرآن ہمارے کس کام آتا ہے؟ قرآن مرنے سے پہلے پہلے کے لیے ہے، یہ ذہن میں رکھ لیں کہ مرنے کے بعد قرآن پڑھنے کا اجر وثواب تو ہے لیکن ہدایت نہیں ہے، مُردے پہ کتنے ختم قرآن پڑھ دیے لیکن اس سے نہ مُردے کو ہدایت ہوئی اور نہ پڑھنے والے کو ہدایت ہوئی! پڑھنے والے کو فیس مل گئی، حلّوہ، بریانی مل گئی اور مُردے کو تھوڑا سا اجر مل گیا لیکن ہدایت سے دونوں خالی ہیں، قرآن پڑھنے والا بھی، قرآن جس کے اوپر پڑھا جا رہا ہے وہ بھی۔ ہدایت اُس کے لیے ہے جس نے قرآن دنیا میں پڑھ کے اور سمجھ کے، اپنا لیا ہو، قرآن کی تعلیمات پر عمل کر لیا ہو، اُس کو ہدایت ملے گی اب آپ عصمت کے بارے میں چند آیات مشاہدہ فرمائیں تا کہ آپ کو یقین ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاءؑ کو معصوم کیوں بنایا؟ حضرتِ سیدہ زہراء سلام اللہ علیہا کو صاحب عصمت کیوں بنایا؟ اور عصمتِ زہراء سلام اللہ علیہا کیسے اُمت کو جوڑ سکتی ہیں؟ عصمت سے ہی اُمت جُڑ سکتی ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

یہ سورہ آلِ عمران کی آیہ ۱۰۳ ہے جس میں اعتصام یعنی اُمت کو کہا گیا ہے کہ عصمت اختیار کرو۔ سورۃ النساء کے اندر آیہ ۱۴۶ میں دوبارہ اُمت کو حکم ہے کہ آپ عصمت اختیار کرو! آیہ ۱۴۵ میں ارشاد ہے:

اِنَّ الْمُنَافِقِیْنَ فِی الدَّرْکِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِیْرًا

ترجمہ: بے شک منافق دوزخ کے سب سے نچلے درجہ میں ہوں گے اور آپ کسی کو ان کا مددگار نہیں پائیں گے۔

منافق یعنی دو چہرہ، جنہوں نے دو شخصیتیں بنا رکھی ہیں ایک دیکھانے کے لیے اور ایک اپنا اندورنی روپ جو خلوت میں اختیار کرتے ہیں، لوگوں کے سامنے بن ٹھن کے آتے ہیں مومن، متدّین، متقی پرہیزگار بنتے ہیں جبکہ اندرونِ خانہ خلوات میں فسق و فجور کرتے ہیں، سوشل میڈیا اور انٹرنیٹ پر اور بند کمروں میں یا اپنی شیطانی محفلوں میں جو کچھ کرتے ہیں وہ اور رُوپ ہوتا ہے اور باہر ممبروں اور مجالس میں اور رُوپ ہوتا ہے۔ یہ منافق ہیں۔

اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِیْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَسَوْفَ یُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِیْنَ اَجْرًا عَظِیْمًا ......[1]

ترجمہ: البتہ ان میں سے جو لوگ توبہ کریں اور اپنی اصلاح کرلیں اور اعتصام باللہ کریں اور اپنے دین کو اللہ کے لیے خالص کریں تو ایسے لوگ مومنوں کے ساتھ ہوں گے اور اللہ عنقریب مومنوں کو اجرِ عظیم عطا فرمائے گا۔

اگر لوگ کسی وائرس میں جیسے کوڑ میں مبتلاء ہو گئے ہیں تو فوراً علاج کے لیے

---

[1] ......(سورۃ النساء، آیۃ: ۱۴۶)

ہسپتالوں کی طرف دوڑتے ہیں اور علاج کرتے ہیں، ائیسولیٹ (Isolate) ہو جاتے ہیں، پیسے خرچ کرتے ہیں، اہتمام کرتے ہیں تا کہ کسی نہ کسی طریقے سے نجات پا جائیں، ہماری حکومت کو خیرات میں چائنہ سے ویکسین کی ڈوز ٹیسٹنگ کے لیے ملی ہیں کہ اگر کوئی اس وائرس میں مبتلاء ہو جاتا ہے تو وہ ٹھیک بھی ہوسکتا ہے، اسکے لیے ویکسین ہے، اسی طرح اگر خدانخواستہ کوئی منافقت جیسی بیماری میں مبتلاء ہو گیا ہے تو وہ بھی ٹھیک ہوسکتا ہے، اس کے لیے کلینک اور دوا موجود ہے اور وہ دوا سورہ نساء کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ بیان فرمائی ہے اور وہ یہ ہے:

......اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا ......توبہ ......وَاَصْلَحُوْا ......اصلاح ......یعنی جو غلط کر چکے ہیں اور منافقت کے دنوں میں جو بگاڑ پیدا کیا ہے، وہ سارا ابھی ٹھیک کرو ...... وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰہِ ......اور جنہوں نے اللہ کے ذریعے عصمت اختیار کی، اعتصام باللہ کیا۔ سورۂ آلِ عمران میں حبل اللہ آیا ہے اور سورۂ نساء میں ہے کہ ذاتِ اللہ کے لیے کے ذریعے عصمت اختیار کی ......وَاَخْلَصُوْا دِیْنَہُمْ لِلّٰہِ ......اور دین میں اخلاص اختیار کیا تو یہ لوگ منافقت کی بیماری سے نجات پا جائیں گے۔

یہ دوسرا نمونہ تھا جہاں پر اعتصام کا حکم ہے کہ اگر بیمار ہو گئے ہو، منافقت جیسی بیماری آ گئی ہے تو اعتصام کرو یعنی عصمت اختیار کرو۔

سورہ آلِ عمران میں آیہ ۱۰۱ میں ہے:

وَمَنْ یَّعْتَصِمْ بِاللّٰہِ فَقَدْ هُدِیَ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ

ترجمہ: جس نے بھی اللہ کے ذریعے عصمت اختیار کی تو وہ ضرور صراط مستقیم پالے گا۔

عصمت کا منبع بتایا جارہا ہے، معصوم ہونے و محفوظ ہونے کا کہ کس طرح سے محفوظ

ہونا ہے؟ سب نے محفوظ ہونا ہے ...... وَاعۡتَصِمُوۡا ......تم سب تحفظ کرو، حفاظت اختیار کرو ......بِحَبۡلِ اللّٰہِ ......اللہ کی رسی کے ذریعہ سے اور اللہ کے ذریعے تم اپنی حفاظت کرو۔

عصمتِ ائمہؑ و اعتصامِ امت

عزیزان! جب سب نے اعتصام کرنا ہے اور اعتصام کے بغیر ڈُوبنے کا خطرہ ہے تو پھر اس اعتصام کو سنجیدہ لینا چاہیئے۔ اعتصام امت کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاءؑ کو معصوم بنایا، ائمہؑ کو معصوم بنایا، فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا کو معصوم بنایا، مریمِ طاہرہ سلام اللہ علیہا کو معصوم بنایا، اللہ تعالیٰ نے انہیں اس لیے معصوم نہیں بنایا کہ یہ امت سے الگ تھلگ ہو جائیں، یہ دوسروں سے ممتاز ہو جائیں، یہ دوسروں سے نکھر جائیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے تمام بشریت کو محفوظ رکھنے کے لیے انہیں محفوظ بنایا۔ انہیں عصمت عطا کی اور جو درجہ عصمت ان ہستیوں کا ہے وہ ان کے ساتھ مختص ہے، اُمت میں سے اُس درجے پر کوئی بھی نہیں پہنچ سکتا لیکن ایک اعتصام، عصمت و حفاظت عمومی ہے جو سب کو اختیار کرنی ہے۔ عام بول چال میں اسے استعمال کیا جاتا ہے، مثال کے طور پر آج کل پاکستان میں ایک ستم یہ ہو رہا ہے کہ خواتین اور چھوٹے بچوں کو ہوس کا نشانہ بنایا جاتا ہے اور اس کے لیے عصمت دری کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے یعنی عصمت لوٹ لی ہے، اس کا مطلب ہے کہ خواتین کے اندر کوئی عصمت ہوتی ہے جسے کوئی ہوس باز لوٹ لیتا ہے، تجاوز کر لیتا ہے، ان کے اندر عصمت کا ایک درجہ ہوتا ہے، نہ وہ عصمت جو اللہ نے انبیاء و ائمہؑ جیسی مخصوص ہستیوں کو دی ہے، وہ اُن کے ساتھ مختص ہے، وہ مختص عصمت اس لیے ہے تا کہ عمومی عصمت تمام اُمت کے اندر ایجاد کر دی جائے وہ

حفاظت تمام اُمت کو درکا ہے۔

کشتیٔ اعتصامِ امت اور عصمت وحفاظت کے شیطانی سہارے

عصمت واعتصام کا حکم عوام کو ہے اور اُدھر سے انبیاءؑ کو اللہ تعالیٰ نے مامور کیا ہے کہ آپ نے اُمتوں کو محفوظ رکھنا ہے لیکن کچھ لوگوں کے ذہنوں میں خناس ہے، ان کے ذہنوں میں شیطان ہے ، ان کے ذہنوں میں گمراہی ہے، انہوں نے عصمت کا اپنا وسیلہ ڈھونڈ لیا ہے، جو اللہ نے مقرر کیا ہے اسے چھوڑ دیا اور علیحدہ سے اپنا وسیلہ اختیار کرلیا ہے۔ سورۂ ھود کی آیۃ ۳۶ بھی مشاہدہ فرمائیں جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ ذکر کیا ہے دیگر انبیاء کرامؑ کا بھی ذکر ہے لیکن حضرت نوح علیہ السلام کا ماجرا خصوصیت کے ساتھ ذکر ہوا ہے۔ لوگ گمراہی میں غرق تھے، ہر بدکاری و برائی ان کے اندر موجود تھی، حضرت نوح علیہ السلام اُن کے اندر مبعوث ہوئے اور کثرت سے اُن کو تبلیغ کی ،تقریباً ساڑھے نوسو سال تبلیغ کی اور اس تبلیغ کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ سدھرنے کے لیے تیار نہیں ہوئے، اس پر حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے برائت کا اعلان کیا اور خداوند تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

وَ اُوْحِیَ اِلٰی نُـوْحٍ اَنَّه لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِکَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا کَانُـوْا یَفْعَلُوْنَ...... [1]

ترجمہ: اور نوح کی طرف وحی کی گئی کہ جو لوگ ایمان لا چکے ہیں ان کے علاوہ آپ کی قوم میں سے ہرگز کوئی اور ایمان نہیں لائے گا لہٰذا جو کچھ یہ لوگ کرتے ہیں آپ اس پر

---

[1]......(سورۃ ھود، آیۃ ۳۶)

رنجیدہ نہ ہوں۔

اے نوح! جتنے مومن ہو چکے ہیں بس یہی ہونگے اور تیری قوم میں سے مزید کسی نے ایمان نہیں لانا، جو مومن بن چکے ہیں، وہی رہیں گے۔ یہ بڑی پریشان کن بات تھی کہ میری اُمت میں کوئی اور مومن پیدا نہیں ہوگا! ......**فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ**...... ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے حضرت نوحؑ کو فرمادیا کہ اگر یہ مومن نہیں ہوتے آپ کی بات نہیں مانتے، اللہ کا پیغام نہیں سنتے تو آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اب جو مومن ہو چکے ہیں، آپ نے اُنہیں بچانا ہے اور محفوظ رکھنا ہے کیونکہ اب عذاب کا وقت آ گیا ہے۔

وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِىْ فِى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ......[1]

ترجمہ: اور ہماری نگرانی میں اور ہمارے حکم سے ایک کشتی بنائیں اور ظالموں کے بارے میں مجھ سے بات ہی نہ کریں کیونکہ وہ ضرور ڈوبنے والے ہیں۔

ہمارے سامنے یعنی واضح کھلم کھلا کشتی بناؤ اور ہم وحی و ہدایت کریں گے اور کسی ظالم کے متعلق میری بارگاہ میں کوئی بات مت کرنا، کوئی بھی ظالم ہو تیرے خاندان سے ہو، تیری قوم سے ہو یا باہر کی قوم سے ہو اگر ظالم ہے اس کے متعلق مجھے مت کہنا! مجھے مت پکارنا! اللہ تعالیٰ نے سختی سے حضرت نوح علیہ السلام کو روک دیا کہ کسی ظالم کے متعلق مجھ سے کوئی بات نہ کرنا۔ اب عذاب کا وقت ہے، عذاب سے اپنی قوم کو بچانے کے لیے آپ کشتی بنائیے۔

وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا

---

[1]......(سورۃ ھود، آیۃ:۳۷)

مِنَّا فَاِنَّا نَسۡخَرُ مِنۡکُمۡ کَمَا تَسۡخَرُوۡنَ......1

ترجمہ: اور وہ (نوح) کشتی بنانے لگے اور ان کی قوم کے سرداروں میں سے جو وہاں سے گزرتا وہ ان کا مذاق اڑاتا تھا، نوح نے کہا: اگر آج تم ہمارا مذاق اڑاتے ہو تو کل ہم تمہارا اسی طرح مذاق اڑائیں گے جیسے تم مذاق اڑاتے ہو۔

سفینۂ نجات کے دشمن

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ کشتی بنانا شروع کی، روزانہ کشتی بنانے کے دوران، ان کے قریب سے کچھ ملا، سرکردہ و سرغنے، مال و دولت کے سرغنے اور قبیلوں کے سرغنے ٹھٹھا و مذاق کرتے ہوئے گزرتے، یہ لوگ حضرت نوح علیہ السلام کا مذاق اُڑاتے کہ ابھی طوفان آنے والا ہے، ابھی دنیا غرق ہونے والی ہے! چونکہ ابھی کچھ بھی نہیں ہوا تھا خشک موسم تھا اور حضرت نوح علیہ السلام کشتی بنا رہے ہیں، ساحل پر کشتی بنائیں تو انسان سمجھتا ہے کہ یہاں ضرورت ہے لیکن اگر انسان شہر میں، خشک علاقے میں کشتی بنائے جہاں نہ نہر ہے، نہ دریا ہے اور نہ ہی سمندر ہے اور وہاں پر کوئی کشتی بنانا شروع کر دے تو ظاہراً مذاق کی بات تو لگتی ہے، لوگ ٹھٹھا مذاق کرتے ہیں، اوباش لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے قریب سے گزرتے اور مذاق کرتے کہ یہ صحراء میں، ریت میں کشتی بنا رہا ہے! حضرت نوح علیہ السلام نے اُن کو جواب دیا کہ ابھی تم ہمارا مذاق اُڑا رہے ہو عنقریب ہم تمہارا مذاق اُڑائیں گے، عنقریب تم ایسی حالت میں چلے جاؤ گئے کہ ہم تمہارے اوپر ہنسیں گے۔

1......(سورۃ ھود، آیۃ: ۳۸)

فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ......۱؎

ترجمہ: عنقریب تمہیں علم ہو جائے گا کہ کس پر وہ عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کر دے گا اور کس پر ہمیشہ رہنے والا عذاب نازل ہوگا۔

حضرت نوح علیہ السلام انہیں کہتے کہ بہت جلدی تمہیں پتہ چل جانے والا ہے، عذاب آئے گا اور ہم جو کشتی بنا رہے ہیں ہم کیسے ہونگے؟ اور تم جو ٹھٹھا کر رہے ہو تم کیسے ہو گے؟

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ وَمَا اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ ......۲؎

ترجمہ: یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آ گیا اور تنور (سے پانی) ابلنے لگا تو ہم نے کہا: (اے نوح!) ہر جوڑے میں سے دو دو کشتی پر سوار کرو اور اپنے گھر والوں کو بھی سوائے ان کے جن کے متعلق فیصلہ ہو چکا ہے اور ان کو بھی (سوار کرو) جو ایمان لا چکے ہیں، اگر چہ ان کے ساتھ ایمان لانے والے بہت کم تھے۔

پھر کشتی بن گئی اب ہر مخلوق میں سے ایک ایک جوڑا جن کی نسل بچانی ہے، آپ کشتی میں سوار کرلیں اور اس کے علاوہ سب ہلاک ہو جائیں گئے سوائے مومنین کے جو حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لائے ہیں، حضرت نوح علیہ السلام کے حلقہ اثر میں داخل ہو گئے ہیں اور کشتی میں بیٹھ گئے، وہ بچ جائیں گے۔

وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ......۳؎

۱؎......(سورۃ ھود، آیۃ: ۳۹)
۲؎......(سورۃ ھود، آیۃ: ۴۰)
۳؎......(سورۃ ھود، آیۃ: ۴۱)

ترجمہ: اور کہا اس میں سوار ہو جاؤ اللہ ہی کے نام سے اس کا چلنا اور ٹھہرنا ہے، بتحقیق میرا رب غفور و رحیم ہے۔

کشتی بن جانے کے بعد حضرت نوح علیہ السلام نے سوار ہونے کا حکم دیا، اُدھر سے اللہ نے پانی کو حکم دیا تو پانی اُبل پڑا آسمان پانی برسنے لگا اور زمین پانی اُگلنے لگی، جل تھل ایک ہو گیا، ہر چیز ڈوب رہی ہے تدریجاً پانی کی سطح اور سیلاب کی سطح اوپر آ رہی ہے، گھر ڈوب رہے ہیں، درخت ڈوب رہے ہیں، جانور حیوان سب ڈوب رہے ہیں، اب لوگوں نے چیخ و پکار شروع کر دی۔ حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی بنانے میں ایک عرصہ لگا، گویا کئی مہینے لگ گئے جو کام حضرت نوح علیہ السلام کرتے، لوگ توڑ پھوڑ کر جاتے تھے، بالآخر کشتی بن گئی اور اب کشتی کے افتتاح کا دن تھا ...... **وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖيهَا وَمُرْسَاهَا** ...... سوار ہو جاؤ اس کشتی کے اندر، اس کشتی کا چلنا اور اس کا ٹھہرنا، اس کا لنگر انداز ہونا یہ اللہ کے نام سے ہو گا، اس کے لیے کوئی ناخدا نہیں ہے بلکہ اس کشتی کا ناخدا اللہ ہے ...... **بِسْمِ اللّٰهِ** ...... اللہ کے نام پر یہ چلے گی، اللہ کے نام پر یہ لنگر انداز ہو جائے گی۔

وَهِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ وَنَادٰى نُوْحُ ۨ ابْنَهٗ وَكَانَ فِيْ مَعْزِلٍ يّٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ...... [1]

ترجمہ: اور کشتی انہیں لے کر پہاڑ جیسی موجوں میں چلنے لگی، اس وقت نوح نے اپنے بیٹے کو جو کچھ فاصلے پر تھا پکارا: اے بیٹا! ہمارے ساتھ سوار ہو جاؤ اور کافروں کے ساتھ نہ رہو۔

---

[1] ...... (سورۃ هود، آية: ۴۲)

بھکی ہوئی نسل اور عصمت کیلئے جبال کا سہارا

اور ایسے میں کشتی جب چلی، پانی بھر گیا اور سمندر بن گیا، زمین ساری ڈوب گئی، ایک پہاڑ جیسی موج ولہر اُٹھی ......وَهِيَ تَجْرِىْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ...... پہاڑ جیسی لہر اُٹھی اور پھر اُس کے بعد......وَنَادٰى نُوْحُ ابْنَه......نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو ندا دی جو کشتی سے باہر کھڑا تھا اور اُسے کہا کہ آؤ کشتی میں آکر بیٹھ جاؤ......وَكَانَ فِيْ مَعْزِلٍ......اور وہ دور تھا نوحؑ کی بات نہیں مانتا تھا، نوحؑ کا بیٹا تو تھا لیکن تابع فرمان نہیں تھا، اللہ پر ایمان نہیں رکھتا تھا اور نوح علیہ السلام کے مخالفوں کے راہ پر چل رہا تھا لہٰذا جب نوح علیہ السلام نے اُس کو کہا کہ......يٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ......اے پیارے بیٹے! آجا تو بھی کشتی میں سوار ہو جا! کافروں کے ساتھ مت جا، آکے نجات کی کشتی میں بیٹھ جا!

قَالَ سَاٰوِيْٓ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ......[1]

ترجمہ: اس نے کہا: میں پہاڑ کی پناہ لوں گا وہ مجھے پانی سے بچالے گا، نوح نے کہا: آج اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں مگر جس پر اللہ رحم کرے، پھر دونوں کے درمیان موج حائل ہو گئی اور وہ ڈوبنے والوں میں سے ہو گیا۔

نوحؑ کے بیٹے نے کہا بابا! تم اپنے ساتھیوں کو لے کر جاؤ، میں تمہاری کشتی کے ذریعے اپنے کو نہیں بچاتا، اردگرد پہاڑ ہیں میں ایک بلند چوٹی پر جا کر چوٹی کا سہارا لے لونگا......يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ......اس پہاڑ کی چوٹی نے مجھے محفوظ رکھنا ہے، عصمت دینی ہے۔

---

[1]......(سورۃ ھود، آیۃ: ۴۳)

میں نے طوفان سے بچنے کے لیے، پہاڑ کی چوٹی کا سہارا لینا ہے۔ میں نے پہلے سے نشاندہی کی ہوئی ہے کہ اگر اللہ کا عذاب آیا تو میں پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر پناہ لے لونگا تیری کشتی میں نہیں بیٹھونگا!

......**قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ** ......حضرت نوحؑ نے بیٹے کو کہا تو غلطی پر ہے، آج پہاڑ بھی تجھے نہیں بچا سکتا ......**لَا عَاصِمَ** ......کوئی عاصم، کوئی عصمت دینے والی یا کوئی محفوظ رکھنے والی چیز نہیں ہے، کوئی امرِ خدا و عذابِ خدا سے تجھے بچانے والا نہیں ہے سوائے اس کے کہ جس پر اللہ نے رحم کیا۔

وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ......ابھی باپ بیٹے میں یہ بات ہو ہی رہی تھی، باپ کشتی میں ہے اپنے مومنوں کے ساتھ اور بیٹا کشتی سے باہر باغی ہو کر پہاڑ کی چوٹی پر عصمت لینے جا رہا ہے۔ عصمت یعنی حفاظت، حفاظت کی خاطر پہاڑ کی چوٹی پے توقع اور اُمیدیں باندھ کر اور نگاہیں جما کے بیٹھا ہوا ہے، اتنے میں ایک پہاڑ جیسی لہر اُٹھی اور ان کے درمیان حائل ہوگئی، نوحؑ کی کشتی محفوظ رہی اور بیٹا غرق ہوگیا۔

وَقِيْلَ يٰۤاَرْضُ ابْلَعِىْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِىْ وَغِيْضَ الْمَآءُ وَقُضِىَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِىِّ وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ......[1]

ترجمہ: اور کہا گیا: اے زمین! اپنا پانی نگل لے اور اے آسمان! تھم جا اور پانی خشک کر دیا گیا اور کام تمام کر دیا گیا اور کشتی (کوہ) جودی پر ٹھہر گئی اور کہا گیا ظالموں پر نفرین ہو۔

---

[1]......(سورۃ ھود، آیۃ: ۴۴)

وَنَادٰی نُوْحٌ رَّبَّہٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَھْلِیْ وَاِنَّ وَعْدَکَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْکَمُ الْحَاکِمِیْنَ......۱

اورنوح نے اپنے رب کو پکار کر عرض کی: اے میرے رب! میرا بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے اور یقیناً تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

اب جب نوح علیہ السلام کا بیٹا ڈوب گیا تو حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ کو پکار کے فرمایا: اے میرے پالنے والے! میرا بیٹا میرے اہل میں سے تھا، میرے اہلِ بیت میں سے تھا، میری آل تھا، میری اولاد تھا اور تیرا عدہ سچا ہوا عذاب آ گیا۔حضرت نوح علیہ السلام کو بیٹے کے ڈوبنے کا افسوس ہوا اور اللہ تعالی سے عرض کیا کہ یہ میرے ہی میں سے تھا، میرا ہی بچہ تھا لیکن گمراہ ہوگیا؟! اللہ تعالیٰ نے جو جواب دیا، اس پر غور کریئے گا:

قَالَ یَا نُوْحُ اِنَّہٗ لَیْسَ مِنْ اَھْلِکَ اِنَّہٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْاَلْنِ مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ اِنِّیْ اَعِظُکَ اَنْ تَکُوْنَ مِنَ الْجَاھِلِیْنَ......۲

فرمایا: اے نوح! یقیناً یہ آپ کے گھر والوں میں سے نہیں ہے، یہ غیر صالح عمل ہے لہٰذا جس چیز کا آپ کو علم نہیں اس کی مجھ سے درخواست نہ کریں، میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ مبادا نادانوں میں سے ہو جائیں۔

اے نوح! یہ تیرا اہل نہیں تھا، یہ تیری آل نہیں ہے، یہ تجھ میں سے نہیں۔ یہ عمل غیر صالح ہے، یہ تیرے میں سے نہیں تو رہبر ہے، پیشواء ہے، نبی ہے، اُمت کا نجات دینے والا ہے اور یہ پہاڑوں میں جا کر عصمت تلاش کر رہا ہے، یہ تیری کشتی اور تیرے نظام میں آنے والا نہیں ہے۔

۱......(سورۃ ھود، آیۃ: ۴۵)
۲......(سورۃ ھود، آیۃ: ۴۶)

اے نوح! ہرگز جس چیز کو آپ نہیں جانتے ہو اُس کے بارے میں مجھ سے سوال مت کرنا! اُس کے بارے میں مجھے سے کچھ مت کہنا!...... **فَلَا تَسْاَلْنِ مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ اِنِّیۤ اَعِظُکَ اَنْ تَکُوْنَ مِنَ الْجَاھِلِیْنَ**...... میں اللہ آپ کو وعظ کر رہا ہو، نصیحت کر رہا ہو کہ اُس چیز کے بارے میں بات کر کے جس کا آپ کو علم نہیں ہے، آپ جاہلین میں سے ہو جائیں!

قَالَ رَبِّ اِنِّیۤ اَعُوْذُ بِکَ اَنْ اَسْاَلَکَ مَا لَیْسَ لِیْ بِہٖ عِلْمٌ وَ اِلَّا تَغْفِرْ لِیْ وَ تَرْحَمْنِیۤ اَکُنْ مِّنَ الْخَاسِرِیْنَ......[1]

نوح نے کہا: میرے رب میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ ایسی چیز کا تجھ سے سوال کروں جس کا مجھے علم نہیں ہے اور اگر تو مجھے معاف نہیں کرے گا اور مجھ پر رحم نہیں کرے گا تو میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤں گا۔

اے پروردگار! میں پناہ مانگتا ہوں، معافی چاہتا ہوں، میں نے وہ چیز کہہ دی کہ جس کا مجھے علم نہیں تھا پھر اُس کے بعد حضرتِ نوح علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اب کشتی سے اتر جاؤ اور نئی آبادی شروع کرو۔

فساد کے طوفان میں کشتیِ اعتصام بنانے کا حکم

عزیزان! قوم بعض اوقات ایسے طوفانون کی زد میں آجاتی ہے کہ اُسے بچانے کی ضرورت ہے، اُسے اعتصام کی ضرورت ہے اور اُس کی حفاظت کی ضرورت ہے آج موجودہ دنیا میں، آج کی دنیا میں، آج کی پاکستان کی نسل، آج کی مسلمانوں کی نسل، آج کی

---

[1]......(سورۃ ھود، آیۃ: ۴۷)

پوری انسانی نسل جو زمین کے اُوپر ہے طوفانِ نوح سے زیادہ خطرناک طوفان کی زد میں ہے، وہ پانی کا طوفان تھا آج فاسد تہذیب کا طوفان اُٹھا ہوا ہے، گمراہی کا طوفان ہے، بد کرداری کا طوفان ہے، ہوس کا طوفان ہے، شہوات کا طوفان ہے، مفاد پرستی کا طوفان ہے، دنیا پرستی کا طوفان ہے، لوگ اندھے ہو چکے ہیں، جو روز بروز پاکستان کے اندر حادثات سنتے ہیں، یہ اسی طوفان کا نتیجہ ہے چھوٹے چھوٹے بچوں پے رحم نہیں کھاتے، اُنہیں اپنی ہوس کا نشانہ بناتے ہیں، اُنہیں قتل کر دیتے ہیں، محرم و نامحرم کی تمیز ختم ہو چکی ہے، اقتدار میں اندھے ہو چکے ہیں، ہر فرد ہر ایک کو لوٹ رہا ہے۔ یہ طوفان کی زد میں ہیں اس طوفان کی زد میں اپنی اولادوں کو بچانا ہے۔ اگر نبی کی بھی اولاد ہو، نبی کا بیٹا ہو لیکن طوفان آ جائے تو وہ بھی اُس خطرے میں ہوتا ہے، اگر وہ نبی کی راہ پر نہ آئے فقد نبی کا بیٹا ہونے کی وجہ سے سمجھے میں بچ جاؤں گا یہ کسی فاسد و کرپٹ حکومت میں تو ہو سکتا ہے لیکن اللہ کے نظام میں نہیں ہو سکتا کہ بیٹا ہونے کی وجہ سے کوئی بچ جائے ......اِنَّه عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ......وہ غیر صالح عمل ہے، فاسد ہے اور طوفان کی زد میں ہر فاسد آ جائے گا آج کی فاسد تہذیب بچوں کے ساتھ کیا کر رہی ہے؟ عورتوں کے ساتھ کیا کر رہی ہے؟ انسانوں کے ساتھ کیا کر رہی ہے؟ مسخ کر رہی ہے۔ جب ایسی فاسد تہذیب کا طوفان اُٹھ کر بشریت پر چھا جائے تو یہاں پر ہمیں کیا کرنا ہے؟ یہاں فقط دُعائیں اور تبلیغ فائدہ نہیں دیتی بلکہ یہاں کشتی فائدہ دیتی ہے اور اس لیے ہم نے کہا کہ ...... وَاصْنَعِ الْفُلْكَ ...... یہ قوم فاسد ہو چکی ہے، ایمان نہیں لائیں گے اب طوفان سے بچانے کے لیے کشتی بناؤ اور کشتی میں وہ ہی آئیں گے جو مومن ہیں، جو مومن نہیں ہیں، وہ کشتی میں سوار نہیں ہونگے۔

عصمت، اِعتِصام اور اِستِعصَام

ایک اور لفظ جو قرآن کریم کی سورہ میں استعمال ہوا ہے، استعصام (ا،س،ت،ع،ص،ا،م) ہے، یہ لفظ بھی عصمت سے ہی بنا ہے۔**عصمت، اعتصام اور استعصام**۔ عصمت کے متعلق یہ تین اصطلاحیں سیکھ لیں اور ذہن میں رکھ لیں اور ان پر غور کریں، کبھی توفیق ہوئی تو ان کی مزید وضاحت کرونگا:**عصمت، اعتصام اور استعصام**

عصمت: حفاظت

اعتصام: حفاظت کے موجودہ وسائل اور ذرائع کو اختیار کر کے عملی طور پر حفاظت کا بندوبست کرنا۔

استعصام: یعنی عصمت وحفاظت کی تمنا، حفاظت کی طلب، حفاظت کی آرزو اور خواہش۔

پس استعصام یعنی وہ قوم جو خطرے، طوفان، آلودگی اور تباہی کی زد میں ہے اور اس کو دائیں بائیں اور اپنے اردگرد حفاظت کی کوئی چیز نظر بھی نہیں آتی، اُن کے لیے فریضہ، استعصام ہے یعنی حفاظتِ اُمت، حفاظتِ نسل اور انسانیت کی حفاظت کے لیے چارہ جوئی کرنا۔ اللہ سے طلب کرنا اور خود اُٹھ کر اقدام کرنا۔

فاسد ماحول میں استعصامِ یوسف علیہ السلام

آپ کی خدمت میں حضرتِ نوح علیہ السلام کے بیٹے کا ایک نمونہ پیش کیا کہ اُس نے اعتصام کے لیے پہاڑ کا سہارا لیا جبکہ اعتصام کے لیے کشتی بنائی گئی تھی لیکن وہ کشتی چھوڑ کر

پہاڑ پر چلا گیا۔ حسنِ اختتام کے طور پر ایک اور آیۃ کو آپ کی خدمت میں غور کے لیے پیش کرتا ہوں جس میں استعصام کا ذکر فرمایا ہے: سورہ یوسف میں قرآن نے استعصام کا ایک نمونہ ذکر کیا ہے کہ ایک چھوٹا بچہ، بھائیوں کی نادانی، حماقت، سفاہت اور حسد کی وجہ سے کنوئیں میں پھنک دیا گیا۔ وہاں سے ایک قافلہ کا گزر ہوا تو انہوں نے اس بچے کو نکال کر مصر کے بازار میں جا کر بیچ دیا، یہ بچہ تفریح کے طور پر خریدا گیا چونکہ بچہ تھا، غلامی یا کام کاج کے لیے نہیں تھا لہٰذا ایک بے اولاد خاندان آیا اور اُنہوں نے بچے کو دیکھا کہ ہمارے گھر میں ویسے ہی بچہ نہیں لہٰذا اس کو رکھ لیتے ہیں، اچھا نکلا تو اس کو اپنی اولاد بنالیں گے۔ گھر میں لے گئے، جا کر پالا پوسا اور یہ جوان ہو گیا جب جوان ہوا تو بہت خُوبرو جوان تھا، وہی عورت حاکمِ مصر کی بیوی جو خرید کے لے گئی تھی، اس کی نیت بد ہو گئی اور اُس نے اس جوان کو گناہ کی دعوت دی لیکن جوان نے اپنے آپ کو محفوظ رکھا نتیجہ یہ ہوا کہ اس عورت نے حیلہ ومکر کر کے اور جھوٹ و بہتان باندھ کر اس جوان (حضرت یوسف علیہ السلام) کو جیل بجھوا دیا۔

سزا ہو گئی جیل میں سزا کاٹنے لگے، جیل کے اندر ان کے زندان ساتھیوں میں سے دو آدمیوں نے خواب دیکھا اور اُنہوں نے یہ خواب حضرت یوسف علیہ السلام کو بتایا جس کی آپؑ نے تعبیر کی اور وہ تعبیر درست نکلی اور بعد میں مصر کے بادشاہ نے خواب دیکھا اور اُس نے لوگوں سے تعبیر پوچھی تو اُس جیل سے نکلے ہوئے بندے نے بتایا کہ میں نے جیل میں خواب دیکھا تھا تو وہاں جیل میں ایک قیدی نے خواب کی تعبیر کی جو ٹھیک نکلی اور مجھے لگتا ہے کہ آپ کے خواب کی تعبیر بھی وہ قیدی بتا سکتا ہے، بادشاہ نے وہ قیدی نکلوایا اور بلا کر اپنے خواب کی تعبیر پوچھی قیدی نے تعبیر بتادی تو بادشاہ کو درست لگی پھر بادشاہ نے پوچھا کہ تم اتنے دانا، اتنے حاذق اور حکیم جیل میں کیا کر رہے ہو؟ کیا جرم کیا ہے؟ تو اُنہوں نے دربار

کی ان عورتوں کی طرف اشارہ کر دیا کہ ان سے پوچھیں! اُنہوں نے مجھے جیل پہنچایا ہے اور جب بات کھلی تو پتہ چلا کہ حاکم مصر جو اس وقت وزیر اعظم تھا اس کی بیوی نے یہ کام کیا ہے۔ اس بیوی سے پوچھا گیا کہ تو نے کیا؟ تو وہ مان گئی کہ یہ سارا میرا مکر تھا۔ یہاں توجہ کریں کہ

قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِیْ لُمْتُنَّنِیْ فِیْهِ وَ لَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ وَ لَئِنْ لَّمْ یَفْعَلْ مَاۤ اٰمُرُهٗ لَیُسْجَنَنَّ وَ لَیَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِیْنَ......[1]

اس نے کہا: یہ وہی ہے جس کے بارے میں تم مجھے طعنے دیتی تھیں اور بیشک میں نے اسے اپنے ارادے سے پھسلانے کی کوشش کی مگر اس نے اپنی عصمت قائم رکھی اور اگر میرا حکم نہ مانے گا تو ضرور قید کر دیا جائے گا اور خوار بھی ہوگا۔

اُن عورتوں کو کہا کہ یہ وہ ماجرا تھا کہ جس پر تم میری ملامت کرتی تھی۔ میں نے اس جوان کو گناہ کی دعوت دی تھی، وسوسہ میرے اندر پیدا ہوا، گناہ کا خیال میرے اندر آیا اور میں نے اس جوان کو دعوت دی لیکن اس جوان نے کیا کیا؟...... **فَاسْتَعْصَمَ**...... اس نے عصمت اختیار کی، اس نے اپنے لیے عصمت چن لی، اپنے آپ کو بچایا۔ اور بچنے کے لیے کیا کیا؟ بچنے کے لیے وہ اُس گناہ کے ماحول سے بھاگا، دروازے کی طرف دوڑا، عورت نے پیچھے سے قمیض پکڑی جو پھٹ گئی اور وہی بعد میں اس کی بے گناہی کا ثبوت بن گئی۔ پھر اس کے بعد جب اُن عورتوں نے ملامت کی تو اس عورت (زلیخا) نے اپنے اوپر سے تہمت دھونے کے لیے جوان کو متہم کر کے جیل بھیج دیا اور حضرتِ یوسف علیہ السلام نے حفاظت کے لیے استعصام کیا۔

قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْۤ اِلَیْهِ وَ اِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ كَیْدَهُنَّ

---

[1]......(سورۃ یوسف، آیۃ: ۳۲)

اَصۡبُ اِلَیۡـهِنَّ وَاَکُنۡ مِّنَ الۡجَاهِلِیۡنَ ۱

یوسف نے کہا: خدایا! مجھے قید اس چیز سے زیادہ پسند ہے، میں جیل میں زیادہ محفوظ رہونگا، جس طرف یہ عورتیں دعوت دے رہی ہیں۔ خدایا! اگر تو نے مجھے نہیں بچایا تو ممکن ہے جو یہ مجھے گناہ کی دعوت دے رہی ہیں ان کے ساتھ شامل ہوجاؤ پھر میں بھی جاہلین میں سے ہوجاؤ!

فَاسۡتَجَابَ لَـهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنۡهُ کَیۡدَهُنَّ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡـمُ......۲

پس یوسف کے رب نے یوسف کی دعا سن لی اور یوسف سے ان عورتوں کی مکاری دور کردی، بیشک وہ سمیع العلیم ہے۔

استعصام یعنی ایک جوان تباہی اور گناہ کے سامنے روبرو ہوا اور اس سے بچنے کے لیے استعصام کیا، عصمت طلب کی، عصمت کا مطالبہ کیا، دُعا کی اور اللہ تعالیٰ سے چارہ جوئی مانگی اور سرِ دست چارہ جوئی یہ تھی کہ یہ اس گناہ آلود ماحول سے نکلے اور بے شک جیل چلا جائے، جیل میں محفوظ رہے گا اور حضرتِ یوسف علیہ السلام نے جیل مانگی کہ مجھے جیل بھیج دیں اور اللہ نے بھی اسے بچانے کے لیے یعنی استعصام کے طور پر زندان میں بھیج دیا۔

اس آیہ کریمہ میں ......فَاسۡتَعۡصَمَ ......کا تذکرہ ہوا کہ اگر ایک انسان اپنے آپ کو محفوظ کرے، ایک اُمت یہ احساس کرے کہ ہم کسی طوفان، تباہی اور گمراہی کے اندر گھرنے والے ہیں تو استعصام لازم ہے، یہ سیرتِ حضرت یوسف علیہ السلام ہے کہ گمراہی کا حصہ نہ بنو، گناہ کی دعوت پے لبیک نہ کہو، اُن کا جز نہ بنو اگرچہ تمہیں اس استعصام کے لیے

۱......(سورۃ یوسف، آیۃ:۳۳)
۲......(سورۃ یوسف، آیۃ:۳۴)

جیل ہی کیوں نہ جانا پڑے، زندان کو ترجیح دے دو لیکن فساد کا حصہ مت بنو، فساد کا جزء مت بنو، فساد کو قبول مت کرو، بے شک تم زندان قبول کرلو! اس لیے خداوند تبارک وتعالیٰ نے یوسف کو بچالیا۔

عزیزان! یہ ہے قرآنِ کریم کا فرمان کہ آپ اعتصام کرو!......**اعۡتَصِمُوۡا**...... عصمت اختیار کرو......**اسۡتَعۡصَمَ**......اور عصمت کی چارہ جوئی کرو، اپنی نسل کو بچانے کے لیے چارہ جوئی کرو اور الحمد اللہ! ہمارے پاس وہ نجات کی کشتی اہل بیتؑ ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے وہ بنائی ہے اور قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، کتاب وحکمت وہ نجات کی کشتی ہیں اور جس ادارے و مرکز کے اندر یہ کتاب وحکمت کی تعلیم موجود ہو، وہ آج کی نسل کے لیے کشتیٔ نجات ہے اور اس کشتی نجات پر جو بیٹھے گا، وہ اس فساد کے طوفان سے بچ جائے گا اور جو اس سے کنارہ کش رہے گا وہ ہلاک ہو جائے گا، اسے کوئی پہاڑ نجات نہیں دے سکتا۔

جامعہ ام الکتاب، فاسد تہذیب سے نجات کی کشتی

عزیزان! اُم الکتاب فقط ایک روایتی مدرسہ نہیں ہے۔ الحمد اللہ! آپ نے اُس کی ظاہری شان وشوکت دیکھ لی ہے، اللہ تعالیٰ کا لطف ہے۔ پاکستان کے موجودہ حالات میں جہاں پر قوم کو گمراہ کرنے کے لیے مخالفتوں کے محاذ، پروپیگنڈے، جھوٹ، بہتان، بدتمیزی اور گالی گلوچ کے لشکر اور برگیڈ بنے ہوئے ہوں اور اُس کے باوجود خواتین کے لیے اتنا عظیم الشان مدرسہ! یہ اللہ کا احسان عظیم ہے۔ آپ پورا ملک گھوم لیں خواتین کے لیے ایسی نجات کی کشتی کہاں موجود ہے؟ یہ اللہ کا لطف ہے یہ کسی انسان کا کمال نہیں ہے، میں کہوں کہ یہ

میں نے بنایا ہے تو یہ شرک و گناہ ہوگا۔ یہ اللہ کا لطف ہے اور اللہ نے جن لوگوں کو یہ توفیق دی ہے، جن لوگوں کو اس کی تعمیر اور اس کی خدمات کی توفیق دی ہے، اُنہوں نے طوفانِ نوح سے زیادہ خطرناک طوفان سے آج کی نسل اور آپ کی اولادوں کو بچانے کے لیے یہ کشتی بنا دی ہے، اور اگر اس کشتی میں اگر سوار ہونگے تو نجات پائیں گے، اگر کسی نے کہا کہ میں پہاڑ پے جا کر پناہ لے لونگا تو وہ گمراہی کا شکار ہے، اگر کوئی کہہ کہ میں کشتی نجات میں نہیں بیٹھتا، میرے لیے تو اور ادارے موجود ہیں کچھ لوگ ہیں ایسے جنہوں نے آج اپنی نسلوں کو بچانے کے لیے پہاڑوں کا سہارا لیا ہوا ہے، وہ پہاڑ کونسے ہیں؟ یا ملک سے باہر کسی پہاڑ پے جا چڑھتے ہیں یا ملک کے اندر کسی ادارے کو پہاڑ سمجھ کر طوفان سے بچنے کے لیے اپنے بچوں لیکر در بدر گھوم رہے ہیں اور پہاڑوں کے اوپر جا کر پناہ لیتے ہیں لیکن اس فاسد تہذیب کی ایک لہر اولاد سمیت پورے خاندان کو تباہ کر جاتی ہے صرف کشتی بچا سکتی ہے اور آج اس طوفانِ بدتمیزی و اس طوفانِ فساد میں بچانے کے لیے فقط ایک ہی راستہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو دیا اور وہ راستہ کتاب و حکمت کی تعلیم ہے۔

عصمتِ امت واعتصام نسواں

اس فاسد نظام سے کتاب و حکمت کی تعلیم ہی ہماری اولاد، ہماری آنے والی نسل اور ہماری موجودہ نسل کو بچا سکتی ہے۔ پاکستان کے ہر شہر و ضلع میں یہ کشتی بنی چاہیے اور یقین جان لیں اگر پاکستان کے سارے مرد تعلیم پا لیں اور سُدھر جائیں تو بھی پاکستان نہیں سُدھرے گا لیکن اگر پاکستان کی چند خواتین سُدھر جائیں تو سارا پاکستان نجات پا سکتا ہے۔

میں نے بار ہا یہ جملہ کہا ہے کہ اگر مرد کو تربیت کی ہے تو فرد تربیت کیا ہے اور اگر عورت تربیت کرو گے تو آپ نے اُمت کی تربیت کی ہے، اگر اُمت تشکیل دینی ہے تو پہلے وہ ماں سنوارنی ہوگی جس کے بطن سے اُمت تشکیل پاتی ہے اور ماں کا کام بچہ جنم دے کر فقط اُس کو جسمانی طور پر پرورش کرنا نہیں ہے بلکہ ماں وہ ہے جس نے اس بچے کو بہشت تک پہنچانا ہے اس لیے کہ اللہ نے بہشت بھی ماں کی مٹھی میں قرار دی ہے، جہنم بھی اس کی مٹھی میں ہے، بہشت بھی اس کی مٹھی میں ہے، آج بہت ساری مائیں اپنے بچوں کو اس طوفان میں لیے کے پہاڑوں پے نظر آتی ہیں، اپنے بچوں کی نجات کے لیے مہنگے اسکولوں کو پہاڑ سمجھ کر وہاں جا کر کھڑی ہوئی ہیں کہ ہم نے اپنے بچوں کو نجات دینے کے لیے یہ اہتمام کر لیا ہے۔ نہیں کیا! آپ اگر ماں ہو، اگر اللہ نے یہ اُمومت کا درجہ دیا ہے، اس کی پاسدار ہو تو آپ کو اللہ کی بنائی ہوئی کشتی میں سوار ہونا ہوگا اُس کے ذریعے سے اپنی اُمت کو نجات دینا ہوگی، اُس کے ذریعے سے اپنی نسل کو بچانا ہوگا۔

جامعہ ام الکتاب سفینۂ عصمت نسواں

یہ (جامعہ ام الکتاب) اللہ کا خصوصی لطف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پوری قوم اور ملتِ پاکستان کو بہت بڑی نعمت عطا کی۔ یوں نہیں ہے کہ یہ جامعہ کسی فرقے کے لیے خاص ہے، جس طرح اللہ نے توفیق دی اور مخلص انسانوں نے ہمت کر کے یہ جامعہ قائم کر دیا، کشتی بنا دی ہے، اب آگے اسے چلانے کے لیے ایک اور مخلص جماعت کی ضرورت ہے جتنی خوبصورت عمارت ہے، اس سے زیادہ خوبصورت اس کے اندر نظامِ تعلیم چلانا ہے، اس

خوبصورت کشتی کے اندر اس اُمت کی نجات کا اہتمام کیا گیا ہے۔ اینٹوں کی عمارت مرد بنا سکتے ہیں، مزدور بنا سکتے ہیں لیکن اس سے آگے جب کشتی بن جائے تو اس کے اندر سوار ہو کر اگلی نسل کی تربیت و پرورش خواتین نے ہی کرنی ہے۔ یہ اُم الکتاب پاکستان کے اندر تعلیم کا ارتقا ہے، تعلیم کی ترقی کا زینہ ہے، پاکستانی ملت اب تعلیم کے معیار میں اُوپر آ گئی ہے یوں سمجھیں کہ **اسفل سافلین** سے اُوپر آ گئی ہے، اعلیٰ علیین کی طرف قدم اُٹھا لیا گیا ہے اور اب یہ قدم آگے بڑھے گا، یہ سیڑھی آگے بڑھنی ہے۔

خواتین یہ ہمت کر سکتی ہیں، میں نے بارہا آپ کی خدمت میں عرض کیا ہے کہ بہت سارے کام مردوں نے کیے ہیں اور وہ خواتین نے کروائے ہیں جیسے بڑے بڑے بنگلے پاکستان کے اندر عورتوں نے بنوائے ہیں، یہ ڈی ایچ اے اور بحریہ جیسے اربوں روپے کے محل، خواتین کی ایما پر بنے ہیں، خواتین کی خواہش اور ڈیمانڈ پر بنے ہیں، اگر خواتین ایک فرد سے مطالبہ کر کے بڑا محل بنوا سکتی ہیں تو خواتین مردوں کو قائل کر کے بڑے تعلیمی ادارے بھی بنا سکتی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اُنہیں اس کا اجر دینا ہے اگر وہ اس طوفان سے نجات کے لیے یہ کام کریں۔

اپنی نسل کو بچانے کے لیے اعتصام و حفاظت کی ضرورت ہے، تمہاری نسلوں کو پہاڑ نہیں بچائیں گے، کشتیاں بچائیں گی۔ وہ کشتیاں جو اللہ کی وحی، حکم و فرمان سے بنے اور اللہ کی تعلیمات کے مطابق بنے۔ ایک طبقے نے اپنا کام کر دیا ہے اب دوسرا طبقہ آئے اور اسے سنبھالیں، ہمیں اب اُم الکتاب کا نظام چلانے کے لیے ایک بڑے عملے کی ضرورت ہے، ایک تربیتی، تعلیمی و تدریسی عملہ اور ایک مدیریتی، انتظامی و خدماتی عملہ۔ یہاں خواتین کی تربیتی مہارتیں بھی ہونگی جو اُن کی زندگیوں میں عمر بھر کے لیے ضروری ہوتی ہیں، وہ بھی

ان کو یہاں پر سیکھائیں جائے گی اور جیسا کہ حکومت نے یہ قانون بنادیا ہے کہ دینی مدارس کے اندر عصری تعلیم بھی ہونی چاہیے لہٰذا انٹرمیڈیٹ تک تو ہمارا تعلیمی نظام شروع ہو گیا ہے۔ اس وقت تمام شرائط آپ کے پاس موجود ہیں کہ آپ اپنے اس ادارے کو یونیورسٹی کا درجہ دلوا سکتی ہیں اور ان شاء اللہ اگلا مرحلہ یہی ہوگا کہ جامعہ اُم الکتاب یونیورسٹی بننے کی تمام شرائط اپنے اندر رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ توفیق دے گا اور آپ کی ہمت، محنت اور تعاون سے وہ درجہ بھی اس کو حاصل ہو جائے گا۔ ظاہر ہے کہ شروع کرنے کے لیے ہمیں تقریباً ایک سو خواتین پر مشتمل اسٹاف کی ضرورت ہے۔

تحفظ حیات وعصمت حیاء، تعلیم وعلاج میں

ہم نے ہسپتال بنایا ہے اور اُس ہسپتال میں دو ہسپتال بنائیں، خواتین کے لیے علیحدہ بنایا اور مردوں کے لیے علیحدہ، خواتین کے لیے ہر چیز ایمرجنسی، آپریشن تھیٹر اور وارڈ وغیرہ الگ ہیں، اُن کا اسٹاف الگ ہے کوئی مرد خاتون کو اور کوئی خاتون مرد کو علاج نہیں کرگی یہ مجبوری ختم کی ہے جو لوگوں نے نامناسب طریقے سے خودساختہ بنائی ہوئی تھی۔ اسی طرح تعلیم میں بھی خواتین کی تعلیم کا اہتمام عصمت واعتصام کے ساتھ ہو جب مرد خواتین کو پڑھاتے ہیں اور جب مرد عورت مخلوط ہو کر تعلیم حاصل کرتے ہیں تو پہلی چیز عصمت اُڑ جاتی ہے، معصومیت ختم ہو جاتی ہے لہٰذا اہتمام کریں، خرچ کریں اور خواتین کے لیے اُن کی شان اور اُن کی حرمت وتقدس کو مدِ نظر رکھتے ہوئے، اُن کے لیے تعلیم کا اعلیٰ اہتمام ہو اور اللہ تعالیٰ کے لطف سے یہ آغاز ہو گیا ہے۔ اب اس کے آگے ارتقائی

مراحل ومنزلیں ہیں اور اُس میں آپ کا تعاون سب سے بڑی شرط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے تعاون سے اِس کو یہاں تک پہنچایا ہے آگے بھی ان شاء اللہ بڑے گا اور یہ ہماری آرزو ہے کہ پاکستان کے ہر شہر میں جامعہ اُم الکتاب جیسے اور اس سے بڑے ادارے خواتین کے لیے وجود میں آئیں، تعلیم کی یہ کشتیاں بنیں تا کہ موجودہ فاسد تہذیب کے طوفان سے اللہ تعالیٰ ہماری نسلوں کو محفوظ رکھے۔

عصمتِ اہلبیتؑ، سفینۂ اعتصام امت

بات کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت فاطمۃ الزاہراء سلام اللہ علیہا کو مقامِ عصمت کیوں عطا کیا؟ اس لیے نہیں عطا کیا کہ فقط ایک فرد حضرتِ فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا کو اللہ نے محفوظ رکھنا تھا، بچانا تھا بلکہ فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا کو اس لیے معصوم بنایا تا کہ آپؑ کے ذریعے سے اُمتِ اسلامیہ کو اعتصام کی منزل تک پہنچائے۔

پس عصمت: حفاظت کو کہتے ہیں، عصمت کا ایک درجہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء و ائمہ علیہم السّلام کے ساتھ مخصوص قرار دیا ہے، وہ ہستیاں صاحبِ عصمت ہیں اور اُن کو اس لیے معصوم بنایا ہے تا کہ اُمت کو تحفظ دیا جا سکے، اُمت کی حفاظت کے راستے، ذریعے، جبل اور کشتیاں بنا سکیں، اس لیے اُنہیں بنایا ہے اور اسی لیے حضرتِ زہراء سلام اللہ علیہا کے بطن سے ہی اُمت کی نجات کی کشتیاں وجود میں آئی ہیں۔

لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا فرمانا ہے کہ

مَثَلُ أَهْلِ بَيْتِي كَمَثَلِ سَفِينَةِ نُوحٍ مَنْ رَكِبَهَا نَجَا وَ مَنْ تَخَلَّفَ

عَنۡهَا هَلَكَ ......[1]

میرے اہل بیت کی مثال نوح کی کشتی کی مثال ہے جو اس کے اندر بیٹھ گیا نجات پا گیا اور جو ان سے کنارہ کش رہا وہ ہلاک ہو جائے گا۔

پس ان ہستیوں کو یہ عصمت اس لیے دی تھی تا کہ امت کا اعتصام ہو جائے۔ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا عصمت کے مقام پر فائز ہیں تا کہ اُمت کے لیے اعتصام کا ذریعہ فراہم ہو جائے اور اُمت کو حکم دیا ہے کہ وَ اعۡتَصِمُوا تم بھی اعتصام کرو۔

---

[1]......(بحار الأنوار (ط-بیروت) ج ۲۳، ص ۱۲۴، باب ۷۔فضائل أهل البیت ع و النص علیهم)

منابع و مآخذ

- قرآن کریم
- نہج البلاغہ
- خطبۂ فاطمیہؑ
- الاحتجاج علی أهل اللجاج (للطبرسي)
- بحار الانوار، محمد باقر بن محمد تقی بن المقصود علی المجلسی
- تاریخ اسلام
- تاریخ تبری، أبو جعفر محمد بن جریر بن یزید الطبری
- صحیحین
- عوالم العلوم و المعارف والأحوال من الآیات والأخبار والأقوال
- کلیات اقبالؒ
- مجموعہ آثار مرتضی مطہری